جلد 2 شمارہ 2 اپریل 2000ء محرم الحرام 1421ھ

ماہنامہ

عالمگیر محبت،
احترام آدمیت
اور اصلاح و
فلاح انسانیت
کا علمبردار

گوجرانوالہ

آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اغراض و مقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول ﷺ، کثرت ذکر، مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اسکی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے اصحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ و نفرت، حسد و بغض، تجسّس وغیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا، عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و اعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا، اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ گوجرانوالہ
آدمیت فلاح
عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

نگران و سرپرست
قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 2 شمارہ 2 اپریل 2000ء محرم الحرام 1421ھ

ایڈیٹر عبدالقیوم ہاشمی
شعبہ سرکولیشن وحید احمد

مجلس ادارت
محمد مرتضٰی توحیدی ، ایم محمد اکرم ، پروفیسر منیر احمد لودھی ، ایم محمد طالب
ڈاکٹر عبدالرشید وقار، محمد صدیق ، سید عاشق حسنین مرتضٰی شاہ بخاری
مولانا حافظ بشیر احمد

قیمت ———— -/15 روپے سالانہ فنڈ ———— -/150 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ Ph:0431-268424:

ایڈیٹر سے رابطہ کیلئے: عبدالقیوم ہاشمی تھانہ روڈ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ Ph:0431-260734:

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-255519
E-mail: asbm@guj.pol.com.pk

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

انسانی نفس کو سنوار لیا جائے تو یہ انسان کی حقیقی فلاح کا ضامن بن جاتا ہے انسانی نفس کی خرابی انسان کی تمام خرابیوں اور صلاحیتوں کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ اگر نفس انسانی کی اصلاح کی جانب توجہ نہ دی جائے تو یہ انسان کو درندوں سے بھی زیادہ وحشت ناک بنا سکتا ہے۔ انبیائے کرام کی بعثت کے مقاصد میں نفس انسانی کی اصلاح ایک اہم شعبے کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن کریم میں تزکیہ نفس کے لئے یز کیکم کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اصلاح باطن، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے لئے ذکر، نماز اور تلاوت قرآن کے ساتھ ساتھ صحبت اہل اللہ کی اپنی جگہ اہمیت اور مرکزی حیثیت ہے۔ صحابہ کرامؓ نے آنحضورؐ کی صحبت کی بدولت ہی روحانی اور دنیوی طور پر محیر العقول کمالات دکھائے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ فرماتے ہیں "ایک اور بھی چیز ہے جو ذکر، تزکیہ اخلاق، تصفیہ قلب اور قطع ماسواء اللہ سے بھی زیادہ ضروری ہے وہ ہے ایک کامل مرشد کا تلمذ اور توسل، مرشد کے بغیر اس راہ میں دو قدم چلنا بھی ممکن نہیں۔ جب معمولی علوم و فنون کے لئے بھی استاد کی ضرورت ہوتی ہے تو روحانی عالم میں کروڑوں اور اربوں میل کے فاصلہ طے کر کے حریم کبریا تک پہنچنا بغیر کسی رہنما کے کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔ رہنمائی اور ہدایت کے علاوہ مرشد کامل کے سینہ سے ایک ایسی برقی طاقت و توانائی سالک کو ملتی ہے جو اس کے قلب کو گرما کر اور روح کو تڑپا کر ایک نئی زندگی بخشتی ہے۔ یہ ایک خاص قسم کی حرارت ہوتی ہے۔ اس سے وہ جذب اور سرور و کیف پیدا ہوتا ہے جس کے نشہ اور بے خودی میں سالک ہر قسم کی سختیاں اور تکالیف خوشی سے برداشت کرتا ہوا منزل مقصود تک چلا جاتا ہے"

لہٰذا مرشد کامل کی صحبت ہی نفس کی تطہیر کرتی ہے اور اس کے بغیر اللہ کی محبت اور قرب و دیدار کا حصول ناممکنات میں شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب مسلمانوں کو اہل اللہ کی صحبت جیسی گراں قدر نعمت سے نوازے۔ آمین یا رب العالمین

(والسلام عبدالقیوم ہاشمی)

درس قرآن

(ڈاکٹر عبدالرشید وقار)

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

ترجمہ: "کہہ دیجئے میں پناہ لیتا ہوں انسان کے پروردگار کی۔ سب انسانوں کے بادشاہ کی۔ سب انسانوں کے معبود کی۔ وسوسہ ڈالنے والے اور پیچھے ہٹنے والے کے شر سے جو کہ وسوسہ ڈالتا ہے لوگوں کے دلوں میں۔ خواہ وہ جنات سے ہو یا انسانوں سے"

تشریح: انسان اپنی تخلیق کے اعتبار سے نہایت کمزور اور عاجز ہے۔ اس کا علم ناقص، فہم نارسا اور قوت مدافعت بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسے ہر وقت عدم تحفظ کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ قدم قدم پر اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ شیطان اس کا ازلی و ابدی دشمن ہے۔ جو ہر موڑ پر اسے سبز باغ دکھا کر راہ ہدایت سے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ شیطان کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا انکار کرے، کفر و دہریت کی زندگی بسر کرے۔ اگر کوئی دین حق کو قبول کرے تو اعمال میں سستی برتے۔ یا پھر دین کو اپنے تک محدود رکھے۔ جو دین کی دعوت کا کام کرے لوگوں کو اس کی مخالفت پر اکساتا ہے تاکہ داعی الی الحق اپنے مشن سے باز رہے۔ اگر پھر بھی وہ خاطر میں نہ لائے۔ تو دین متین کی دعوت دینے والوں کو اس بات پر ابھارتا ہے کہ وہ بھی مخالفین کی سطح پر آکر اپنے اوپر لگنے والے ہر الزام کی صفائی پیش کرے اگر نفس شیطان کے بہکاوے میں آجائے تو انسان کی حقیقی منزل دور ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ چونکہ اپنے بندوں کے لئے نہایت رحیم و کریم ہے۔ اس لئے اس سورت مبارکہ میں ایسے الفاظ انسان کو سکھائے جن کی تلاوت کرکے وہ پروردگار عالم کی پناہ میں آجاتا ہے اور ہر قسم کے خطرات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ عام انسانوں کی نگاہ صرف ان نعمتوں تک

محدود ہے جو اس کی روز مرہ کی ضروریات کو پورا کرتی ہیں۔ روٹی، کپڑا اور مکان مل جائے تو مطمئن ہو جاتے ہیں۔ معاشی ضروریات سے آگے کی سرحد تک ان کی نظر کبھی جھانکنے کی کوشش نہیں کرتی۔ ایسے لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ایسی ذات سے پناہ طلب کریں جو انکی جملہ ضروریات کی کفیل ہے بعض انسان ایسے ہیں جن کے حوصلے محدود نہیں ہوتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہر طرف عدل و انصاف کا بول بالا ہو کسی پر ظلم نہ ہو۔ کسی کا جائز حق نہ مارا جائے۔ اگر کوئی طاقتور کسی کمزور پر زیادتی کرے تو ظالم کی شوکت و وجاہت کو بالائے طاق رکھ کر مظلوم کو پورا پورا انصاف ملے۔ یہ کام ایک با اختیار بادشاہ ہی انجام دے سکتا ہے۔

اس لئے لوگوں کو اس بات کا درس دیا گیا کہ تمہارا اللہ صرف تمہاری معاشرتی ضروریات ہی پوری نہیں کرتا بلکہ وہ ایک با اختیار اور زبردست فرماں روا بھی ہے۔ کوئی اس جیسا لا محدود اختیارات کا مالک ہے ہی نہیں۔ کسی پر جبر و تشدد اس کا شیوہ نہیں ہے۔ وہ بہت بڑا عادل اور منصف ہے بلند حوصلہ انسانوں کو عظیم سلطان کا تعارف ملک الناس کے الفاظ سے کرایا گیا۔ تاکہ ان کا اضطراب دور ہو جائے۔

تیسرے اعلیٰ درجے کے وہ لوگ ہیں جو اس سے محض اس لئے محبت کرتے ہیں کہ وہ ان کا معبود ہے۔ یہ لوگ بھوک پیاس برداشت کر سکتے ہیں۔ اپنی حق تلفی پر لبوں کو سی سکتے ہیں۔ طاغوتی طاقتوں کے بالمقابل کھڑے ہو کر جان نچھاور کر سکتے ہیں۔ لیکن اپنے معبود سے روگردانی نہیں کر سکتے۔ وہ اللہ سے صرف اس لئے پیار کرتے ہیں کہ وہ ان کا معبود حقیقی ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے الٰہ الناس کے مبارک الفاظ ذکر کئے گئے ہیں۔ لفظ "الٰہ" قرآن حکیم میں دو معنوں میں استعمال ہوا ہے ایک الٰہ ایسے ہیں جن کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ کوئی ان کی عبادت کرے۔ مگر پھر بھی ان کی عبادت زور و شور سے ہو رہی ہے۔ دوسرے نمبر پر وہ معبود حق جس کا استحقاق ہے خواہ کوئی عبادت کرے یا نہ کرے۔ اس کی الوہیت متاثر نہیں

ہوتی۔

جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی ان تینوں صفات کا علم ہو جاتا ہے تو دربار ایزدی میں فریاد کرتا ہے "کہ اے میرے اللہ مجھے ہر قسم کے شیاطین سے محفوظ فرما۔ میں صرف تیری پناہ میں آکر ہی اپنی جان اور متاع ایمان کو بچا سکتا ہوں۔ شیطان آدمی کے دل میں طرح طرح کی برائی کے وسوسے ڈالتا ہے۔ جب پہلی بار انسان کو اس کی طبیعت کے خلاف اکسایا جاتا ہے تو اس کا رد عمل بڑا شدید ہوتا ہے۔ وہ برے خیال کو جھٹک دیتا ہے۔ شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ بظاہر پسپائی اختیار کر لیتا ہے۔ موقع ملنے پر پھر وہی بات اس کے دل میں ڈالتا ہے۔ یہ تسلسل جاری رہتا ہے اور انسان کا رد عمل کمزور ہو جاتا ہے۔ انسانوں کو کمزور کرنے کا طریق کار ہی یہی ہے جس کو شیطان نے اختیار کر رکھا ہے کبھی حملہ کیا کبھی پیچھے ہٹ گیا۔ بڑے بڑے زیرک انسان مار کھا جاتے ہیں۔ اگر انسان کو اپنے رب کی پناہ حاصل نہ ہو تو چاروں شانے چت گر جاتا ہے۔ ذکر الٰہی سے ایک ایسی روشنی ملتی ہے جس کی موجودگی میں کوئی شیطان نقب نہیں لگا سکتا۔ یہ شیطان انسانوں اور جنات دونوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب تک بندے کو اللہ تعالیٰ کی پناہ نہ ملے اس کی متاع جان و ایمان کا محفوظ رہنا ناممکن ہے۔

اگر ایک آدمی اس سورت مبارکہ کی تلاوت اس نیت سے کرتا ہے کہ میں تمام فتنوں سے محفوظ رہوں اور دل میں ڈرتا بھی رہتا ہے تو زبان سے ان الفاظ کا نکالنا بے معنی ہے۔ اگر اس کا یقین پختہ ہے کہ میں جس کی پناہ طلب کر رہا ہوں وہ ایسی ہستی ہے جو سب مخلوق پر قادر و قیوم ہے تو پھر اسے بے فکر ہو جانا چاہئے کہ کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے۔ اللہ کی پناہ میں آنے کے بعد ڈر کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اگر کوئی پناہ دینے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو کوئی بے وقوف ہی اس سے پناہ طلب کرے گا۔ جس آدمی کو یقین ہو کہ وہ اب خدا کی پناہ میں ہے۔ وہ دنیا کی ہر باطل قوت سے ٹکرا جائے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام

صرف ایک لاٹھی لے کر فرعون کے دربار میں دعوت حق لے کر چلے گئے تھے۔ اس دعوت کے پیچھے یہی جذبہ کار فرما تھا۔

ہمارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو بھی خدا کی پناہ کا یقین کامل حاصل تھا۔ حالانکہ سارا عرب ان کی مخالفت پر کھڑا ہو گیا تھا۔ آپ ؐ نے کسی خطرے کو اہمیت نہ دی۔ خدا کی پناہ وہ چیز ہے جس کی سب کو ضرورت ہے۔ سب سے زیادہ ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں اس کے کلمہ کو بلند کرنے اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نکل کر میدان میں آتے ہیں' انسان یہ جرات اسی وقت کر سکتا ہے جب اسے خدا کی پناہ کا کامل یقین ہو اسی لئے رسول خدا ﷺ نے فرمایا معوذتین دو بے نظیر سورتیں ہیں لیکن یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اس سورت مبارکہ سے وہی شخص فیض یاب ہو سکتا ہے جس کا باطن قرآن کے ان الفاظ سے تعلق رکھتا ہو۔ جو آدمی قرآن کے منشاء کے خلاف زندگی بسر کر رہا ہو۔ قرآن کے الفاظ کے ساتھ متصادم ہو تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس شر سے خدا کی پناہ طلب کر رہا ہے۔ حالانکہ وہ شخص خود سراپا شر بنا ہوا ہے۔ شر اس کے ظاہر اور باطن پر قبضہ کر چکا ہے ایسا شخص جو کسی کو قتل کر کے یا فراڈ اور رشوت سے مال اکٹھا کر کے گھر آتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میں نے سورت مبارکہ پڑھ کر خدا کی پناہ لے لی ہے دیوانہ ہے کیا پولیس اسے نہیں پکڑے گی' کیا اسے اس کے عمل بد کی سزا نہ ملنا چاہئے۔ اس لئے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ قرآنی برکات صرف ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہیں جو قرآن کے منشاء کے مطابق کام کر رہے ہوں۔ جو اپنے قول و فعل سے قرآن سے جنگ کر رہے ہیں وہ محروم رہیں گے۔ خواہ کتنی بار اس کی تلاوت کرتے رہیں۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

(اقبالؒ)

درس حدیث

(رانا محمد اعجاز)

عن عائشہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یا عائشہ ایاک و محقرات الذنوب فان لھا من اللہ طالبا۔

ترجمہ! "حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان سے فرمایا۔ اے عائشہ! اپنے کو ان گناہوں سے بچانے کی خاص طور پر فکر کرو جن کو حقیر اور معمولی سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بھی باز پرس ہونے والی ہے"۔

جن لوگوں کو آخرت اور حساب کتاب کی فکر ہوتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے ڈرتے ہیں وہ کبیرہ یعنی بڑے گناہوں سے بچنے کا تو عام طور سے اہتمام کرتے ہیں لیکن جو گناہ ہلکے اور صغیرہ سمجھے جاتے ہیں ان کو خفت اور معمولی سمجھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے بہت سے خدا ترس بندے بھی ان سے بچنے کی زیادہ فکر نہیں کرتے۔ حالانکہ اس حیثیت سے کہ وہ گناہ ہیں اور ان کے کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی باز پرس ہونی ہے اس لئے ہمیں ان سے بچنے کی پوری طرح فکر اور کوشش کرنی چاہیے۔

اس حدیث مبارکہ میں رسول کریم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کو یہی نصیحت فرمائی ہے اگرچہ اس کی خاص مخاطب حضرت عائشہ صدیقہ ؓ ہیں۔ لیکن در حقیقت یہ انتباہ اور یہ ہدایت و نصیحت رسول کریم ﷺ کی طرف سے اپنی امت کے سب مردوں اور عورتوں کے لئے ہے۔ جب آنحضرت ﷺ کے خاص گھر والوں کو بھی فکر اور احتیاط

کی ضرورت ہے تو عام آدمی کے لئے بے پروائی کی کیا گنجائش ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صغیرہ گناہ اگرچہ کبیرہ کے مقابلے میں صغیرہ ہیں لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہونے کی حیثیت سے اور اس حیثیت سے کہ آخرت میں اس کی باز پرس ہونے والی ہے۔ ہرگز صغیرہ اور ہلکے نہیں ہیں۔ دونوں میں بس اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ زیادہ زہریلے اور کم زہریلے سانپوں میں ہوتا ہے پس جس طرح کم زہر والے سانپ سے بھی ہم بچتے اور بھاگتے ہیں اسی طرح ہمیں صغیرہ گناہوں سے بھی اپنے آپ کو بچانے اور محفوظ رکھنے کی پوری طرح کوشش کرنی چاہیے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کے عذاب سے اور اس کی پکڑ سے ڈرنا ہی راہ نجات ہے اور چاہے کوئی گناہ کتنا ہی صغیرہ ہی کیوں نہ ہو بہرحال وہ گناہ ہے اور خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے اس لئے ہمیں ان کے کرنے میں بھی اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ ہر وہ عمل رب تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے جس کو اپنانے میں انسان کو زیادہ کوشش اور محنت کرنی پڑے۔

اور جب کوئی اپنے آپ کو اس حد تک ٹھیک کرے گا تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اسے ایسا صلہ دینے والا ہوں جس کا تصور بھی کوئی انسان نہیں کر سکتا۔

اطلاع

ہمارے نوشہرہ ورکاں میں مقیم بزرگ بھائی مولوی رحمت علی صاحب پچھلے دنوں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ سب بھائی ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔

صدائے فقیر

اقامت صلوۃ

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی)

کلمہ طیبہ کے بعد نماز نہ صرف اسلام کا اولین عملی رکن بلکہ لازمی مظہر بھی ہے۔ کلمہ طیبہ ایک عظیم الشان انقلابی اصول ہے جو تمام باطل اور طاغوتی قوتوں کی نفی کر کے اللہ رب کائنات کی حاکمیت اور الوہیت کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کا اعلان ہے۔ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے مومن کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے مالک حقیقی کے سامنے باقاعدگی کے ساتھ اپنی غلامی اور عبدیت کا اظہار کرتا رہے۔ اس کے لئے نماز سے بہتر کوئی دوسری صورت ہو ہی نہیں سکتی۔ نماز کی ترکیب، ترتیب، ہیئت اس کے مخصوص اوقات اور اس میں پڑھے جانے والے مقدس کلمات ملکر اسے اتنا اعلیٰ وارفع عمل بنا دیتے ہیں کہ اس سے بہتر اظہار بندگی کا سلیقہ اور خالق سے رابطے کا طریقہ سوچا ہی نہیں جا سکتا۔ جو غلام اپنے آقا کا نام لینے اور اس کے دربار میں اظہار محبت و عقیدت کے لئے حاضری دینے سے ہی عاری ہو اس سے یہ امید کیونکر رکھی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے مالک کا وفادار بندہ بن کر اس کے تمام احکام کی پابندی کریگا۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ نماز دین کا ستون ہے جس نے اسے قائم رکھا اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے اسے ضائع کر دیا وہ باقی چیزوں کو اور زیادہ ضائع کریگا۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جس کے ہاں نماز نہیں اس کے ہاں دین بھی نہیں اور صرف نماز کے عمل کو ہی مسلمان کی پہچان قرار دیا گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے۔

ان بین الرجل وبین الشرک والکفر ترک الصلوۃ (مسلم)

"بے شک انسان اور شرک و کفر کے درمیان علیحدگی پیدا کرنے والی چیز نماز ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ نماز اور ایمان کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنا ناممکن ہے۔ جو شخص جان بوجھ کر نماز ترک کر دیتا ہے اس نے گویا عملی طور پر اللہ کی حاکمیت کا انکار کر دیا۔ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے کہ جب دوزخیوں سے جنت والے پوچھیں گے کہ تمہیں کس چیز نے اس حال تک

پہنچایا ہے تو وہ خود اپنی زبان سے اس کی بڑی وجہ نماز نہ پڑھنے کو ہی قرار دیں گے۔ اس سلسلہ کی قرآنی آیات ملاحظہ ہوں ما سلکم فی سقر ○ قالوا لم نک من المصلین ○ ولم نک نطعم المسکین ○ وکنا نخوض مع الخائضین ○ وکنا نکذب بیوم الدین ○ حتی اتنا الیقیق (المدثر 42 تا 47)

"تمہیں کس چیز نے دوزخ میں لاڈالا۔ وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اور نہ ہی فقیروں کو کھانا کھلاتے تھے اور سوچوں میں پڑ جانے والے اہل باطل کے ہمراہ ہم بھی سوچوں میں پڑے ہوئے تھے اور روز جزا کو جھٹلاتے رہے یہاں تک کہ آ پہنچی ہم پر وہ یقینی بات"

نماز بہت بڑی نعمت ہے کیونکہ اسی سے انسان کا تعلق اللہ کے ساتھ قائم رہتا ہے اور اللہ کی حضوری نصیب ہوتی ہے۔ اس سے روگردانی کرنے والے کو شیطان اپنی گرفت میں سے لے لیتا ہے نماز ایک ایسا مربوط نظام تربیت ہے جو ظاہر و باطن اور جسم و روح دونوں کو قرب الٰہی کے اعلیٰ مقامات تک رسائی کے لئے تیار کرتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ محشر میں انسان اپنے مادی جسموں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے اس لئے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے ساتھ ساتھ جسم کو پاکیزہ رکھنا اور اس کے اعضاء کو اللہ کی اطاعت اور عبادت میں لگانا بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس نکتہ نظر سے ہم نماز کی جامعیت کا جائزہ لیتے ہیں۔ سب سے پہلے طہارت کو لیجئے جسے نصف ایمان کا درجہ دیا گیا ہے۔ نماز جیسی اہم عبادت اس وقت تک ادا نہیں کی جا سکتی جب تک جسم، لباس اور جگہ پاک و مطہر نہ ہو۔ طہارت کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ کی کتاب میں نماز ادا کرنے کا طریقہ اور مختلف نمازوں کی رکعتوں کی تعداد بیان نہیں کی گئی لیکن طہارت کے بارے میں تفصیلی احکام دئے گئے ہیں ان کی جھلک ملاحظہ کیجے۔

یایھا الذین امنوا اذاقمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا بروسکم وارجلکم الی الکعبین وان کنتم جنبا فاطھروا وان کنتم مرضی او علی سفر او جا احد منکم من الغائط اولمستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منه ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمته علیکم لعلکم تشکرون (المائدۃ 6)

"اے اہل ایمان جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں دھو لیا کرو اور اگر نہانے کی حاجت ہو تو نہا کر پاک ہو جایا کرو اور اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی لو اور اس سے منہ اور ہاتھوں کا مسح یعنی تیمم کر لو اللہ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کرے تاکہ تم شکر گذاری کرو"

مندرجہ بالا آیت مبارکہ کے آخر میں بار بار کی مشقت میں ڈالنے اور غسل جنابت کی تکلیف دینے کی حکمت بھی ظاہر کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے اہل ایمان پر تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ جسم کی طہارت اتنی اہم ہے کہ اس کے بغیر نعمت کی تکمیل ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لئے اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہونا چاہیئے جس نے ایسا کامل نظام حیات عطا فرمایا جس پر عمل پیرا ہونے سے دنیا میں بھی ایک مومن کا جسم اور لباس کسی وقت ناپاک نہیں ہونے پاتا۔ غیر اسلامی طریقوں پر زندگی گذارنے والے اس طہارت و لطافت سے محروم رہتے ہیں اور اس محرومی کے ظاہری اثرات محسوس بھی کئے جا سکتے ہیں۔ طہارت کے فضائل و برکات اور اس کے روحانی اثرات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ "میں قیامت کے روز اپنی امت کے افراد کو وضو کی برکت سے پہچان لونگا کیونکہ وضو کی نورانیت کے اثر سے ان کے ہاتھ پاؤں اور چہرے جگمگا رہے ہوں گے" افسوس ہے ان غافل مسلمانوں پر اور ولایت کے دعوے دار ان جھوٹے صوفیوں پر جو نماز ترک کر کے دنیا اور آخرت میں مسلمانی کی پہچان کو ہی ضائع کر رہے ہیں۔ ایک مومن جب نماز کے لئے وضو کرتا ہے تو وہ اعضاء کی طہارت کے ساتھ ساتھ ان سے سرزد ہونے والی خطاؤں سے توبہ بھی کرتا ہے اور آخر میں دعا کرتا ہے کہ اے اللہ مجھے ان لوگوں میں شامل فرما جو بہت زیادہ توبہ کرنے والے ہیں اور ان لوگوں میں شامل فرما جو بہت زیادہ پاک صاف رہنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری دیتے وقت ظاہری طہارت کے علاوہ قلب و ذہن کا متاع دنیا کی محبت سے خالی ہو کر یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع ہونا بھی ضروری ہے۔ بے خیالی اور بے دلی سے ادا کی گئی نمازوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اسی لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نماز کے قریب

بھی نہ جاؤ جب تم نشے کی حالت میں ہو۔ اور اس کیفیت کی تشریح یوں فرمائی کہ جب تمہارا ذہن اتنا بے قابو ہو کہ زبان سے ادا ہونے والے کلمات سے اس کا ربط باقی نہ رہے۔ عام طور پر یہ کیفیت شراب اور دیگر نشہ آور اشیاء کے استعمال ہی سے پیدا ہوتی ہے لیکن مال و اسباب کی محبت میں شدت آجانے اور کاروبار میں استغراق ہو جانے کے اثرات بھی اسی طرح کے ہوتے ہیں کہ کھڑے تو نماز میں ہیں اور معمول کے مطابق میکانکی انداز میں تلاوت بھی ہو رہی ہے اور رکوع و سجود بھی پورے کئے جا رہے ہیں لیکن ذہن اس سارے عمل سے لا تعلق ہو کر دنیا کے خیالات اور کاروباری معاملات کے تعاقب میں بھٹکتا پھر رہا ہوتا ہے۔ نہ یہ یاد ہوتا ہے کہ کونسی سورت تلاوت کی تھی نہ اس بات کا شعور ہوتا ہے کہ رکوع و سجود میں جو تسبیحات پڑھی ہیں ان کی اہمیت کیا ہے بلکہ بعض اوقات تو رکعتوں کی تعداد بھی یاد نہیں رہتی۔ بقول شیخ سعدیؒ

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر

ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

یعنی زبان پر تسبیح جاری ہو اور دل میں گدھے گھوڑے اور گائیں بھینسیں پھر رہی ہوں تو اس طرح کی نماز کا بھلا کیا اثر ہو گا۔ اس لئے ذہن کو اپنے قابو میں رکھنے کا طریقہ بھی اللہ والوں سے سیکھنا چاہیے۔ ایسی کوئی مشکل نہیں ہے جس کا حل مردان حق کے پاس نہ ہو۔

حقیقی نماز تو ظاہر و باطن اور قلب و قالب کی یکسوئی اور یکجہتی کا حسین امتزاج ہے۔ نماز کے لئے مومن اپنے چہرے کا رخ بیت اللہ کی طرف اور دل عرش الٰہی کی طرف متوجہ کر کے کھڑا ہو جاتا ہے پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھا کر گویا عارضی طور پر اس دنیا کی ہر شے سے دستبردار ہو کر اللہ اکبر کہہ کر نماز میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسے تکبیر تحریمہ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد جسمانی اعضاء ظاہری حواس اور قلب و ذہن پر ہر حرکت' ہر کلمہ بلکہ ہر خیال حرام ہو جاتا ہے جو نماز کا حصہ نہ ہو۔ اس کے ساتھ ہی ہاتھ باندھ لئے جاتے ہیں' جسمانی حرکت بند ہو جاتی ہے' نگاہیں سجدہ گاہ پر ٹھہر جاتی ہیں' کان راز و نیاز کی سرگوشیوں پر متوجہ ہو جاتے ہیں' قلب و ذہن اللہ کی حضوری کی لذت میں منہمک ہو جاتے ہیں اور زبان اپنے آقا و مالک اور معبود و محبوب اللہ کی حمد و ثناء اور تکبیر و تسبیح میں مشغول ہو جاتی ہے۔ اب رکوع و سجود میں جانا ہو یا ان سے اٹھنا ہو' بیٹھنا ہو یا

کھڑا ہونا ہو ہر حرکت صرف اللہ کے نام سے ہوگی۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی صحابہ کرام ؓ کو نماز کے دوران داڑھی پر ہاتھ پھیرتے دیکھتے تو فرماتے اگر اس کے دل میں خشوع و خضوع ہوتا تو اس کا ہاتھ داڑھی کی بجائے دل پر ہوتا۔ الغرض نماز میں ظاہر اور باطن دونوں پہلوؤں کو مناسب اہمیت دی گئی ہے جس طرح قلب و ذہن کو اللہ کی طرف متوجہ رکھنا ضروری ہے اسی طرح جسم کی ہیت حتی کہ ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کو بھی شریعت کی بتائی ہوئی حالت کے مطابق رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

اللہ والوں کے نزدیک نماز کے ان ارکان میں جن کا تعلق جسم کی ہیت سے ہے ایک لطیف راز بھی پوشیدہ ہے جو اللہ کے ہاں نماز کی ظاہری صورت کی مقبولیت کی بہت ہی پیاری دلیل ہے وہ یہ کہ نماز کے دوران انسان کے جسم کی چار حالتیں ہوتی ہیں جنہیں ہم قیام، رکوع، سجود اور تشہد کہتے ہیں نمازی جب قیام کی حالت میں سیدھا کھڑا ہوتا ہے تو اس کا جسم حرف الف (ا) کی طرح ہوتا ہے۔ جب رکوع میں جھکتا ہے تو حرف حا (ح) کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جب اپنا سر سجدے میں رکھتا ہے اس وقت حرف میم (م) اور تشہد کی حالت میں حرف دال (د) کی صورت بن جاتا ہے اس طرح ایک نمازی نماز کے دوران ا ح م د کی شکلیں بناتا ہے جن کے ملنے سے اللہ تعالیٰ کے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کا نام نامی احمد بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے نماز کی یہ ترتیب خود ہی سکھائی اور اپنے حبیب ﷺ کی محبت کے صدقے میں نماز کی اس ظاہری صورت سے بھی یقیناً پیار کرتے ہونگے۔

بعض نام نہاد صوفیوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی دی ہوئی تعلیم سے انحراف کرتے ہوئے نماز ترک کر دی اور عوام الناس میں یہ غلط تاثر پیدا کیا کہ نماز پڑھنے کا نہیں بلکہ قائم کرنے کا حکم ملا ہے اس لئے ہم فقیروں نے نماز قائم کر لی ہے اور ہماری ہر وقت ہی نماز ہے۔ حالانکہ جسم اور لباس کی طہارت اور حضوری قلب کے ساتھ، مقررہ اوقات پر دوسرے بھائیوں کے ساتھ مل کر ایک امام کی اقتدا میں قیام و رکوع اور سجود کے دوران اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور تسبیح اور تکبیر بیان کرنے اور اسے مدد کے لئے پکارنے کا نام ہی اقامت صلوۃ ہے۔ دنیا بھر میں رسول اللہ ﷺ کے سکھائے ہوئے طریقہ کے مطابق تواتر کے ساتھ نماز ادا ہوتی چلی آ رہی ہے اس لئے اس کے مستند ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔ نماز کی ادائیگی کے لئے جب اذان کے ذریعے دعوت دی جاتی ہے تو دنیا بھر کی کروڑوں مساجد سے حی علی الصلوۃ کی آواز ہی بلند ہوتی ہے جس کا واضح

مطلب ہے نماز مساجد میں ہی ادا کی جاتی ہے اسی لئے باجماعت نماز شروع کرنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے مطابق قد قامت الصلوۃ "نماز قائم ہو گئی ہے" کا اعلان با آواز بلند کیا جاتا ہے تاکہ اقامت صلوۃ کی حقیقت سمجھنے میں کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ حضور ﷺ کے سکھائے ہوئے طریقے کے مطابق جو لوگ نماز کی پابندی کرتے ہیں وہی نماز کو قائم کرنے والے ہیں اور اللہ کی رحمت سے انتہائی قرب کی نعمت سے نوازے جائیں گے۔ درویشی اور فقیری کے وہ دعویدار جو نماز ادا نہیں کرتے اور اپنے ماننے والوں کو بھی نماز سے روکتے ہیں وہ شیطان کے دھوکے میں آ گئے ہیں یہ لوگ یوگ کی مشقوں اور چلوں کی مدد سے اپنی روحانی طاقت بڑھا لیتے ہیں اور چند شعبدے دکھا کر جاہل عوام پر اپنی ولایت کا رعب جھاڑتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے جو بھی اوراد و وظائف یا جنتر منتر پڑھتے ہیں وہ بیٹھے بیٹھائے دھرنا مار کر ہی پڑھتے ہوں گے۔ اگر وہ اپنی کج فہمی کی بناء پر اسے نماز سمجھتے ہیں تو پھر وہ اپنے بنیادی دعوے میں ہی جھوٹے ہیں کہ ہم نے نماز قائم کرلی ہے کیونکہ اسے قائم کرنا نہیں کہا جا سکتا بلکہ بیٹھ کر پڑھنا یا وظیفہ کرنا کہا جا سکتا ہے۔ ایسے نام نہاد فقیروں کی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے مطابق نماز قائم کرنے والوں کو نماز پڑھنے والے سمجھتے ہیں اور خود ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھے بٹھائے کوئی وظیفہ پڑھتے ہیں اور اپنے آپ کو بڑی ڈھٹائی کے ساتھ نماز قائم کرنے والے کہتے ہیں۔ بے شک جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا۔ ایسے لوگ لاکھ وظیفے پڑھیں، قلب پر ضربیں لگا لگا کر جلی اور خفی ذکر کرتے رہیں اور کتنی ہی روحانی طاقت حاصل کرلیں لیکن ولی اللہ کبھی نہیں بن سکتے اور آخرت میں پچھتائیں گے۔ انسان کی زندگی کا حقیقی مقصود اللہ کی محبت اور اس کے قرب کا حصول ہے اور یہ دولت اور نعمت عظمیٰ قرآن کریم کے اعلان کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ ساری انسانیت کے لئے مثالی زندگی کا عملی ماڈل حضور ﷺ کا اسوہ حسنہ ہے۔ آپ ﷺ جس راہ پر جس انداز سے چلے اسی راہ پر اسی انداز سے چلنا ہی قبولیت کی سند ہے۔ آپ کے طریقہ میں کمی یا بیشی افراط اور تفریط شمار کی جائے گی۔ نماز مومن کی معراج ہے تو سجدہ نماز کی معراج ہے کیونکہ قرآن کریم کی آیت واسجد واقترب (العلق-19) اس حقیقت کی دلیل ہے کہ اللہ کا انتہائی قرب سجدہ کی حالت میں ہی نصیب ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں منافقین کے

بارے میں آتا ہے کہ وہ جب نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں اللہ کا ذکر کرتے ہیں مگر تھوڑا اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ نماز کے لئے کھڑا بھی ہونا پڑتا ہے اور یہ دھرنا مار کر یا گھٹنوں میں سر دے کر قائم نہیں کی جاتی۔ اس آیت میں سستی سے نماز ادا کرنا اور اللہ کا ذکر تھوڑا کرنا منافقین کی علامت بتائی گئی ہے اس سے ان مسلمان بھائیوں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے جو نماز اور اللہ کے ذکر سے بالکل ہی غافل ہیں۔ وہ اپنے مقام کا تعین خود ہی کرلیں اقامت صلوۃ کی وضاحت کے لئے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت بڑی سود مند ہے

واذا كنت فيهم فاقمت لهم الصلوة فلتقم طائفه منهم معك وليأخذوا اسلحتهم فاذا سجدوا فليكونوا من ورائكم ولتات طائفه اخرى لم يصلوا فليصلوا معك وليأخذوا حذرهم واسلحتهم (النساء102)

"اے میرے رسول ﷺ جب آپ مجاہدین کے لشکر میں ہوں اور مومنین کے لئے نماز قائم کریں تو چاہئے کہ ان کی ایک جماعت آپ کے ساتھ مسلح ہو کر کھڑی رہے۔ جب وہ سجدہ کر چکیں تو پرے ہو جائیں پھر دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی انکی جگہ آئے اور ہوشیار اور مسلح ہو کر آپ کے ساتھ نماز ادا کرے"

اب ذرا غور فرمائیے کہ قرآن مجید میں دئے گئے اقامت صلوۃ کی اس طریقے اور طریقت کے جھوٹے دعویداروں کی خرافات میں کوئی نسبت ہو سکتی ہے؟ صحیح اسلامی حکومتوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے خلاف اسلام اور گمراہ کن عقیدوں کو بلا روک ٹوک اور علی الاعلان بیان کیا جاتا ہے۔ احتساب کا نظام فعال نہ ہونے کی وجہ سے غیر شرعی عقائد کے حامل فقیروں کے علاوہ کتنے ہی مہدیت، مسیحیت اور نبوت کے جھوٹے دعویداروں کو بھی پھلنے پھولنے کے مواقع ملتے رہے ہیں اور اب بھی دستیاب ہیں

جو لوگ شریعت کے مطابق نماز ادا نہیں کرتے ان کے بارے میں امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا فتویٰ ہے کہ اسلامی حکومت کو چاہئے کہ تارک صلوۃ کو قتل کر دے۔ صرف امام ابوحنیفہؒ کے مسلک میں تھوڑی سی نرمی ہے کیونکہ ان کے مطابق حکومت کو چاہئے کہ بے نماز کو خوب زدوکوب کر کے قید میں ڈال دے۔ جب تک وہ توبہ کر کے نماز قائم نہ کرے اسے رہا نہ کیا

جائے۔ لیکن ہماری جہالت کی وجہ سے یہاں کئی لوگ موجود ہیں جو خود بھی نماز نہیں پڑھتے اور اپنے عقیدت مندوں کو بھی نماز سے روکتے ہیں لیکن پھر بھی انہیں روحانی رہنما مانا جاتا ہے۔ حالانکہ سید الانبیاء ﷺ کا فرمان ہے کہ "اگر کوئی شخص تمہارے پاس ہوا میں اڑ کر پانی اور آگ پر چل کر آ جائے تو اس کی اس روحانی طاقت کو دیکھ کر اسے اللہ کا برگزیدہ ہرگز تسلیم نہ کرو۔ بلکہ یہ دیکھو کہ وہ شریعت کا پابند ہے یا نہیں۔ اگر میرے طریقہ پر ہے تو یہ اس کی بزرگی کی علامت ہے اور اگر میرے طریقہ اور میری شریعت پر عمل پیرا نہیں ہے تو اسے بزرگ سمجھنا تو درکنار اس کے سر پر جوتے لگاؤ کیونکہ وہ گمراہ ہے اور گمراہی پھیلائے گا" اس حدیث شریف سے یہ حقیقت بھی اجاگر ہو جاتی ہے کہ اس طرح کے شعبدوں کی طاقت غیر شرعی طریقوں سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

دراصل معاملہ یہ ہے کہ شیطان بڑا فریبی اور دھوکہ باز ہے اور وہ انسان کو اللہ کے قرب سے محروم رکھنے کے لئے زبردست چالیں چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا۔

قد افلح من تزکی ○ وذکر اسم ربہ فصلی ○ (الاعلیٰ 14 تا 16)

"بے شک وہ مراد کو پہنچا جو پاک ہوا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا"

اس آیت مبارکہ میں حقیقی فلاح کے حصول کے تین اصول بیان کئے گئے ہیں۔ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ یا ان کے نقش قدم پر چلنے والے صالحین و صادقین کے روحانی فیض سے تزکیہ باطن کی صفائی اور نور ایمان کا حصول ہے اس کے بعد اللہ کا ذکر کرنے اور نماز ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے ابلیس کا تو کام ہی یہ ہے کہ انسانوں کو اللہ کے راہ سے ہٹائے۔ اگر وہ کسی انسان کو پوری طرح گمراہ نہ کر سکے تو پھر اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اسے چند صالح اعمال سے روک لے تاکہ وہ اللہ کی محبت اور معرفت کے اعلیٰ مدارج سے محروم ہو جائے۔ ذکر اور نماز کے معاملہ میں بھی اس نے دلیل اور تاویل کی دو دھاری تلوار سے خوب کام لیا ہے اس نے بعض علماء اور نمازوں کی پابندی کرنے والے حضرات کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈال دیا کہ بس نماز ہی کافی ہے۔ یہی اللہ کا ذکر ہے اور اس کے علاوہ کسی دوسرے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں اور اللہ کا ذکر کرنے والوں کے دل میں یہ بات ڈالنے میں کامیاب ہو گیا کہ نماز کی غرض و غایت تو اللہ کا ذکر ہے تم تو ہر وقت اللہ کے ذکر میں رہتے ہو اور جو دم غافل کے اصول پر عمل پیرا ہو اس لئے تمہیں ظاہری نماز اور رکوع و سجود کے تکلف

میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو عوام اور ظاہر پرست لوگوں کے لئے مقرر کی گئی ہے اس طرح وہ دونوں گروہوں کی کثیر تعداد کو اپنے دام فریب میں لانے میں کامیاب ہو گیا اس نے نمازیوں کو ذکر کی نعمت سے محروم کر دیا اور ذکر کرنے والوں سے نماز چھڑوا کر صراط مستقیم سے دور کر دیا۔

بعض حضرات کثرت ذکر یعنی چلتے پھرتے' اٹھتے بیٹھتے اور کام کاج کے دوران اللہ کا ذکر جاری رکھنا کو ضروری خیال نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ بس نماز ہی ذکر ہے اور قرآن کریم کی کثرت ذکر والی آیات سے مراد ہر وقت اللہ اللہ کرنا نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ دنیا کے سارے کام ایمانداری اور دیانتداری سے سرانجام دئے جائیں۔ حالانکہ اوپر بیان کی گئی سورت اعلیٰ کی آیت نمبر19 اور سورت مزمل کی آیت نمبر8 کے الفاظ کا اشارہ اس توجیہہ سے مختلف ہے

واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا○ (المزمل - 8)

"اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرو اور قلبی طور پر سب کو چھوڑ کر اسی کے ہو جاؤ"

ان دونوں آیات میں اللہ کو یاد رکھنے کا حکم نہیں دیا جا رہا بلکہ واضح طور پر کہا گیا ہے کہ اپنے رب کے "نام" کا ذکر کرو۔ اللہ کے ذکر یعنی اس کی یاد کی تاویل تو یہ کی جا سکتی تھی کہ سارے کام اللہ اور یوم آخرت کو یاد رکھتے ہوئے درست طریقے سے پورے کئے جائیں لیکن "رب کے نام" کا ذکر کرنے کے معنی اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتے کہ اپنے رب کے نام یعنی لفظ اللہ کی تکرار ہر وقت اور ہر جگہ کی جائے۔ اللہ کی یاد اللہ کا نام لینے ہی سے پختہ ہوتی ہے۔ نماز بھی کچھ کلمات اور چند جسمانی حرکات کی تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد تکرار کا ہی تو نام ہے۔ اس لئے صرف نماز ہی ذکر نہیں ہے بلکہ اللہ کا ذکر ہر جگہ' ہر وقت اور ہر حالت میں کیا جانا چاہئے اور نماز بھی اللہ کا ذکر ہے جو صرف مخصوص اوقات میں مخصوص طریقے سے کیا جاتا ہے۔ اس بات کو تو ہم سب تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے سے اس کے ایک ایک حرف کے بدلے دس دس نیکیاں عطا کی جاتی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنہ اور حمد و ثناء پر مشتمل کلمات کا ورد کیا جائے تو ثواب بہت ہی زیادہ ہو گا اور اگر خالق کائنات کی ذات اکرم کے نام "اللہ" کا ذکر کیا جائے تو اس پر ملنے والے اجر و ثواب کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس خصوصی ذکر کے بارے میں خود ہی فرما رکھا ہے۔ ولذکر اللہ اکبر

(عنکبوت۔45) یعنی اللہ کا ذکر سب سے بڑی بات ہے۔ اس لئے اس سب سے پیارے نام کا ذکر کرنے کی ترغیب دینی چاہئے نہ کہ اسے روکنے کے لئے تاویلوں اور دلیلوں کے انبار لگا کر دیوار چن دی جائے۔

اللہ تعالیٰ کے چار ظاہری اور محسوس شعائر' اللہ کا رسول ﷺ اللہ کی کتاب' اللہ کا گھر اور اللہ کی عبادت کے لئے نماز ہیں۔ نماز کی حیثیت ایک ادارہ کی سی ہے جو اللہ کے دین اسلام کے عقائد' اس کی تنظیم اور اس کے مقاصد کا مظہر ہے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت' وحدت انسانیت اور مقصود حیات کے اظہار کے لئے یہ ایک مربوط نظام ہے جسے پوری دنیا میں نافذ کرنے کے لئے جدوجہد کرنا ملت اسلامیہ کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔ نماز کی ادائیگی چند کلمات کے پڑھے جانے کا نام نہیں بلکہ اللہ کے دین کا شعور پیدا کرنے اور اسے ترقی دینے کے لئے ہر روز پانچ مرتبہ منعقد کی جانے والی ایک اہم تقریب ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اپنی محبت میں سرشار قوم کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب انہیں زمین پر غلبہ عطا کیا جاتا ہے تو وہ اس میں نماز اور زکوۃ کا نظام نافذ کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اقامت صلوۃ اپنے اندر بہت وسیع مفہوم رکھے ہوئے ہے اور دیگر شعائر اسلام کی طرح یہ بھی امت مسلمہ کی شیرازہ بندی میں معاون اور دنیا میں اللہ کے دین کا بول بالا کرنے اور وحدتِ انسانیت قائم کرنے کی ضامن ہے۔

ذاتی طور پر مومن کے لئے نماز انتہائی قرب کی کیفیات کا نام ہے اسی لئے اسے معراج المومن کہا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے قرب کی منازل تک رسائی حاصل کرنے کے لئے خیال کو اپنی دنیا سے باہر نکل کر ذہن کی اس کیفیت سے استفادہ کرنا پڑے گا جسے حضوری والی نماز کہا جاتا ہے نماز اتنی عظیم حقیقت ہے کہ اللہ کے آخری رسول ﷺ کی زندگی کے آخری لمحات کے دوران آپ کی زبان مبارک پر آنے والے آخری الفاظ میں نماز کا ذکر نمایاں تھا۔

خواجہ کے خطوط

(ترتیب و تدوین۔ خالد مسعود)

توبہ اور گناہ سے بچنے کا طریقہ

1۔ "گناہ کی بابت یہ کریں کہ کسی وقت دو نفل نماز توبہ کی نیت سے پڑھ کر اور سجدہ میں سر رکھ کر اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی توبہ کرو اور آئندہ کے لئے عہد کرو کہ گناہ نہیں کرونگا۔ پھر بے فکر ہو جاؤ" (بنام عبدالحمید صاحب 1970-12-30)

(2) "گناہ سے ڈر کر نماز اور ذکر وغیرہ نہ چھوڑ دینا کیونکہ یہی چیزیں آخر میں گناہ پر غالب آئیں گی اور شیطان کو شکست دیں گی۔ ظلمت کے غار میں تو ہم تم کو گرنے نہیں دیں گے (تم حلقہ کی تعلیم اور ذکر و نماز پر قائم رہو) پرواہ نہ کرو۔ گناہ کی یہ عادت چھوڑنے کے لئے دو ترکیبیں لکھ رہا ہوں۔

1۔ اگر شادی شدہ نہیں تو شادی کر لو۔

2۔ صبح جب سو کر اٹھو تو پلنگ سے نیچے اترنے سے پہلے کلمہ پڑھو اور دل سے خدا کی طرف متوجہ ہو کر تین مرتبہ یوں کہو کہ "اے رحیم و کریم' غفار و ستار اللہ میں تجھ کو حاضر ناظر جان کر تجھ سے یہ عہد کرتا ہوں کہ آج کے دن اور رات یہ گناہ (گناہ کا نام لو) ہر گز نہیں کرونگا۔ پھر ہر نماز کے بعد انہی الفاظ کو دہراؤ اور دل سے کہو انشاء اللہ جب گناہ کرنے کا موقع آئے گا عہد یاد آ جائے گا اور تم بچ جاؤ گے۔

اگر پھر بھی کسی دن گناہ ہو جائے تو رات کو سوتے وقت اپنے آپ کو سزا دو۔ یعنی

تازہ وضو کرو اور دو رکعت نماز نفل اس نیت کے ساتھ کرو "نیت کرتا ہوں دو رکعت نماز توبہ' واسطے اللہ تعالیٰ کے' منہ میرا کعبہ شریف کی طرف اللہ اکبر اب سبحان اللہ کے بعد حسب دستور الحمد للہ اور ایک مرتبہ سورہ قل ھو اللہ احد پڑھو اس کے بعد پہلے ہی سے ہاتھ میں لی ہوئی تسبیح پر گن کر سو مرتبہ یہ استغفار پڑھو۔

استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ

اس کے بعد رکوع اور سجدے کرو۔ دوسری رکعت میں بھی بالکل اسی طرح پڑھو۔ پھر نماز پوری کرو' سلام پھیرو اور فوراً سجدے میں گر کر اللہ سے کہو

"یااللہ! میں نے توبہ توڑ دی ہے مجھ کو معاف فرما دے" اور جب تک دل چاہے سجدے میں پڑے یہی معافی مانگتے رہو۔ پھر سیدھے پلنگ پر جا کر سو جاؤ۔ کسی سے بات نہ کرو۔ پندرہ دن بعد مجھ کو لکھو کہ کیا نتیجہ نکلا۔ جب تک گناہ کی عبادت بالکل نہ چھوٹ جائے یہ عمل جاری رکھو۔ اللہ تمہاری مدد کرے" (بنام: گمنام 1973-1-18)

3۔ کچھ عرصہ آپ روزانہ صبح اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کریں کہ آج غصہ نہ کروں گا۔ دن میں کئی مرتبہ اس عہد کو دہراتے رہیں۔ اس کے باوجود اگر غصہ آجائے تو رات کو دو نفل توبہ کے پڑھ کر اللہ سے معافی مانگیں۔ اگلے روز پھر یہی عہد کریں۔ انشاء اللہ کچھ عرصہ بعد غصہ جاتا رہے گا۔ میں بھی دعا کرتا رہوں گا"

(بنام محمد طالب صاحب 1972-8-27)

شیطانی وحی

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

ایک دن قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے فرمایا کہ روحانی سفر میں بڑے نازک مقام آتے ہیں۔ اگر پیچھے سنبھالنے والا کامل مرشد نہ ہو تو سالک راہ حق سے بھٹک سکتا ہے۔ ابلیس نے کئی لوگوں کو فریب دے کر نبوت و مہدویت کے دعوے کرائے اور مخلوق خدا کو گمراہ کیا۔ میں جب بنوں میں تھا تو ایک ایم اے پاس عورت جس کا نام عطیہ تھا میری بیعت ہو گئی۔ اس کے خاوند بھی ایک مقامی کالج میں پروفیسر تھے۔ اس نے بہت اچھے طریقے سے تعلیم پر عمل شروع کر دیا اور اچھی خاصی روحانی ترقی کر لی۔ وہ دونوں میاں بیوی مجھے ملنے کے لئے اکثر و بیشتر آتے رہتے تھے۔ ایک دن میں شام کو سیر کو نکلا تو خیال آیا کہ عطیہ کافی دنوں سے نہیں آئی ذرا اس کو ملتا جاؤں۔ جب میں ان کے گھر گیا تو نوکر نے بتایا کہ بیگم صاحبہ اپنے کمرے میں عبادت کر رہی ہیں۔ میں نے پروفیسر صاحب کا پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ بھی ان کے پاس بیٹھے ایک رجسٹر پر کچھ لکھ رہے ہیں۔ میں ان کے کمرے میں چلا گیا۔ وہ نیم وا آنکھوں سے ایک مصلے پر دو زانو بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ بڑے جلال سے بولی کہ آپ نے مجھے سلام کیوں نہیں کیا۔ میں نے کہا حرامزادی! تو میری مرید ہے اس لئے تجھے چاہئے تھا کہ مجھے سلام کرتی۔ اس نے بڑے رعب سے کہا کہ آپ کو معلوم نہیں میں کون ہوں؟ میں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں تو اس نے کہا کہ "میں تمہارا رب ہوں۔ میں عطیہ پر ایک کتاب نازل کر رہا ہوں تاکہ موجودہ دور کے لوگوں کی اصلاح کی جا سکے۔ میں آپ کی ڈیوٹی بھی لگا رہا ہوں کہ اس تعلیم کو دنیا میں پھیلائیں" میں سمجھ گیا کہ معاملہ کیا ہے۔ میں نے اسے کہا کہ رب صاحب یہ تو بتایئے کہ آج سے چودہ سو برس پہلے ایک کتاب اللہ کے آخری رسول ﷺ کے توسط

سے پوری انسانیت کے لئے اتاری گئی تھی اور اس میں یہ کہا گیا تھا کہ ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔ تو اس کے بعد ہم کسی دوسری کتاب کو کیوں قبول کریں؟ اس پر اس نے کہا کہ "میں جو تمہارا رب تمہیں حکم دے رہا ہوں" پہلے تو میں اس سے شغل کر رہا تھا لیکن یہ بات سن کر مجھے بھی غصہ آ گیا۔ میں نے اسے ماں کی گالی دیتے ہوئے کہا "تم جیسے تین سو ساٹھ رب پھرتے ہیں حکم دینے والے۔ "GET OUT" (یعنی دفعہ ہو جاؤ) اس پر عطیہ صاحبہ کی روحانی لائن کٹ گئی' اس نے آنکھیں کھول لیں اور سنبھل کر بیٹھ گئی۔ مجھے جو اپنے پاس دیکھا تو بڑے ادب سے سلام کیا اور پوچھا کہ آپ کب آئے؟ اس پر میں نے اسے پوچھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا تھا اور تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟ عطیہ نے کہا کہ ذکر کے بعد جب میں مراقبے میں بیٹھتی ہوں تو مجھے ایک سبز رنگ کا بہت بڑا ستارہ دکھائی دیتا ہے اور اس سے نور کی ایک شعاع نکل کر میرے دل میں آ کر پیوست ہو جاتی ہے اور مجھے ہدایات ملنی شروع ہو جاتیں ہیں۔ میں بولتی جاتی اور میرے میاں ساری باتیں رجسٹر میں لکھتے جاتے میں نے اسے بتایا کہ یہ تو شیطان تھا اور تمہیں بزرگی کا جھانسہ دے کر گمراہ کر رہا تھا۔ میں نے وہ رجسٹر نذر آتش کروا دیا۔ میں نے وہ رجسٹر دیکھا تھا اس میں کوئی بھی بات اسلام کے خلاف نہ تھی۔ بڑی اچھی اچھی باتیں لکھی ہوئی تھیں۔ لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔ شیطان اللہ کی راہ پر چلنے والی ایک مخلص مومنہ کو گمراہ کرنے میں تو کامیاب ہو چلا تھا۔ کوئی دوسرا اس کو نہ بھی مانتا پھر بھی شیطان کا وار اس پر تو چل ہی گیا تھا۔ مرزا غلام احمد بھی شروع میں ٹھیک تھا۔ عیسائیوں کے خلاف مناظرے بھی خوب کرتا تھا اور اسے کشف بھی ہوتا تھا وہ بھی اسی طرح شیطان کے ہتھے چڑھ گیا لیکن اسے کوئی سنبھالنے والا نہ تھا۔ وہ اسی طرح مارا گیا۔

اسلامی تصوف اور روحانی طاقت

(حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

اب قابل غور بات یہ ہے کہ جب قرآن، احادیث اور حضور اکرم ﷺ کا اسوہ حسنہ ہمارے سامنے ہے تو پھر مسلمان ان جاہل اور گمراہ صوفیوں کے معتقد کیوں ہو جاتے ہیں۔ تو اس کی کئی وجوہات ہیں ایک تو یہ کہ عام مسلمان جاہل ہیں۔ ان کو نہ قرآن کی خبر ہے نہ احادیث کی نہ وہ حضور اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ سے واقف ہیں۔ دوسری وجہ قوم کی غربت و افلاس ہے، لوگ مفلسی اور غریبی کی وجہ سے بلند عزائم اور اعلیٰ کردار سے عاری ہو چکے ہیں۔ وہ حرام حلال اور جائز و ناجائز کی پروا نہیں کرتے وہ تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان کی مراد پوری ہو جائے خواہ جائز طریقے سے ہو یا ناجائز سے۔ اس کے ساتھ ہی ان کا عقیدہ یہ ہے کہ فقراء کو مافوق الفطرت طاقتیں حاصل ہوتی ہیں اور وہ انسان کی ہر مراد پوری کر سکتے ہیں۔

تیسری وجہ (اور سب سے بڑی وجہ) یہ ہے کہ وہ ان مجذوبوں، ملنگوں اور غیر شرعی فقیروں سے کرامتیں بھی سرزد ہوتی دیکھتے ہیں یہی سبب ہے کہ عوام متشرع اور غیر متشرع کا لحاظ کئے بغیر ہر فقیر کے پاس چلے جاتے ہیں۔ اس تمام قضیہ میں سب سے عجیب و حیران کن یہی کرامات ہیں۔ جاہل اور بے پڑھے لکھے تو رہے ایک طرف بڑے بڑے تعلیم یافتہ اور عالم و فاضل جب ان فقیروں سے کرامات صادر ہوتی دیکھتے ہیں تو ان کے معتقد ہو جاتے ہیں۔

یہ ایک ایسا معمہ ہے جو کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر یہ فقراء جھوٹے اور گمراہ ہیں تو ان سے کرامتیں کیوں ظہور میں آتی ہیں میں خود پچیس تیس برس سخت حیران و پریشان رہا۔ میری سمجھ میں کسی طرح بھی نہ آتا تھا کہ جب یہ لوگ طہارت، عبادت، اخلاق اور ہر اچھی چیز سے کورے ہیں تو پھر ان سے کرامتیں کیوں صادر ہوتی ہیں۔ لیکن آخر کار جب حقیقت سمجھ میں آئی تو معلوم ہوا کہ یہ تو بہت ہی معمولی بات ہے۔

دراصل قصہ یہ ہے کہ تصوف اور روحانی طاقت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ ہر وہ آدمی جو کرامتیں دکھلائے ضروری نہیں کہ صوفی بھی ہو لیکن ہر کامل صوفی میں کرامات دکھانے کی طاقت ضرور ہوتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ کرامات دکھائے یا نہ دکھائے تصوف کا مقصد جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے اللہ اور مبداء و معاد کی حقیقت معلوم کرنا ہے اور اس مقصد تک پہنچنے کا راستہ نیکی، پارسائی و پاکبازی، تزکیہ اخلاق اور تصفیہ قلب ہے۔ لیکن روحانی طاقت حاصل کرنے کا مقصد صرف خرق عادات یعنی کرامات کا حصول ہے اور اس کے لئے کسی خاص نیکی، پارسائی، اخلاق حسنہ اور عبادت کی

ضرورت نہیں۔ یہ طاقت تو ایسی چند مشقوں اور ریاضتوں سے پیدا ہو سکتی ہے جیسی کہ ہندوؤں کے یوگ میں کی جاتی ہیں۔ اس طاقت کو حاصل کرنے کے لئے صرف دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک ارتکاز خیال (کنسنٹریشن) دوسری قوت ارادی (ول پاور) یہ دو باتیں جس کسی میں بھی کمال کے درجے تک پیدا ہو جائیں اسی سے کراتیں سرزد ہونے لگتی ہیں اور یہ دو باتیں چند خاص مشقوں سے پیدا ہو جاتی ہیں۔

زیادہ آسانی سے سمجھانے کے لئے آپ کو مسمریزم اور ہپناٹزم کا حوالہ دیتا ہوں آپ لوگوں میں سے جس نے بھی کسی اچھے مسمرائزر یا ہپناٹسٹ کے کمالات دیکھے ہیں وہ خوب جانتا ہے کہ یہ لوگ کیسے عجیب عجیب کرتب دکھا سکتے ہیں۔ ایک معمولی سا کرتب تو یہ ہے کہ کسی کمزور قوت ارادی والے بچے پر اپنی قوت ارادی سے غنودگی یا نیند طاری کر دیتے ہیں جو اصطلاح میں قوت مقناطیسی کہلاتی ہے۔ جب ان کا معمول بے ہوش ہو جاتا ہے (یا سو جاتا ہے) تو اس سے طرح طرح کے سوال کرتے ہیں اور وہ ہر سوال کا بالکل صحیح جواب دیتا ہے۔ لیکن میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ یہ معمول صرف انہی باتوں کے صحیح جواب دے سکتا ہے جو عامل یعنی مسمریزم کرنے والا خود جانتا ہو اس کے علاوہ یہ لوگ اکثر امراض کا علاج بھی کرتے ہیں جو روحانی طریقہ علاج کہلاتا ہے۔ یہ مرض کو اپنی قوت ارادی سے سلب کر لیتے ہیں۔ یہ طریقہ علاج آج کل یورپ میں بہت مقبول ہوتا جا رہا ہے۔ بڑے بڑے فلاسفر اور سائنسدان ہپناٹزم کی اس طاقت سے حیران ہیں۔ حتیٰ کہ امریکہ کے مشہور زمانہ فلاسفر ولیم جیمز نے اپنی تحریروں میں جابجا اس طریقہ علاج کا بڑی شدومد سے ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ہپناٹسٹ اور بھی کئی کمالات دکھاتے ہیں۔ مثلاً ٹرانسفریشن آف تھاٹس (انتقال خیال اپنے دماغ سے دوسرے کے دماغ میں) خواہ وہ آدمی نزدیک اور سامنے ہو یا دور کہیں فاصلے پر ہو اسی کو ٹیلی پیتھی بھی کہتے ہیں۔ میں نے تو یہاں تک دیکھا ہے کہ یہ ہپناٹسٹ مادی ٹھوس چیزوں کی طرف نظر جما کر اشارہ کرتے ہیں اور وہ چیزیں ان کی طرف سرکنے لگتی ہیں۔ مگر یہ عمل زیادہ وزنی چیزوں پر نہیں کر سکتے صرف ہلکی پھلکی چیزوں پر کر سکتے ہیں۔ مثلاً قلم، پنسل، ماچس بکس اور گلاس وغیرہ

مسمریزم اور ہپناٹزم کی طاقت زیادہ ہو جائے تو آدمی مردوں کی روحوں کو دیکھنے اور بلانے پر بھی قادر ہو جاتا ہے بعض اشخاص میں یہ طاقت قدرتی اور پیدائشی ہوتی ہے یہ لوگ اصطلاح میں میڈیم کہلاتے ہیں۔

یورپ اور امریکہ میں بہت سی جماعتیں ہیں جو یہی کام کرتی ہیں یہ جماعتیں سپریچول سوسائیٹز کہلاتی ہیں۔ لوگ مرے ہوئے انسانوں کی روحوں کو بلا لیتے ہیں اور ان سے طرح طرح کے سوالات کر کے بڑی اہم معلومات حاصل کرتے ہیں۔ لوگوں کو بھی ان کے رشتہ داروں کی روحوں سے ملاتے ہیں' روحوں کے

فوٹو لیتے ہیں۔ ڈاکٹروں کی روحوں کو بلا کر بیماروں کے امراض تشخیص اور تجویز کراتے ہیں ہمارے ہاں مشرق میں بھی ایک ایسا ہی علم موجود تھا جو حاضرات کہلاتا تھا۔ اب اس کے جاننے والے مفقود ہیں۔ البتہ دھوکے باز مدعی بہت ہیں جو طرح طرح سے لوگوں کو فریب دے کر ان کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔

الغرض یہ علوم ہیں جو خاص طریقوں پر عمل کرنے سے ہر آدمی کو حاصل ہو سکتے ہیں۔ مگر تصوف سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ ان کے لئے کسی خاص پارسائی، تقویٰ اور عبادت و عقائد کی ضرورت ہے۔ ہمارے اکثر پیر اور فقیر بھی مخصوص مشقیں کر کے یہ طاقتیں حاصل کر لیتے ہیں اور عوام پر اپنی ولایت کا رعب ڈالتے ہیں۔ میں بذات خود ایسے کئی مشہور پیروں سے واقف ہوں۔ ہمارے ان پیروں اور یورپ کے، لوگوں میں یہ فرق ہے کہ یورپ والے یہ سب کچھ بدرجہ کمال حاصل کرنے کے باوجود ولایت کا دعویٰ نہیں کرتے۔ اپنے آپ کو سپر یچولسٹ ہی کہتے اور ظاہر کرتے ہیں اور ہمارے ہاں ہر وہ شخص جس میں تھوڑی سی بھی یہ طاقت پیدا ہو جائے وہ ولایت سے ادھر تو رکتا ہی نہیں۔ بس چلے تو نبوت کا دعویٰ بھی کر بیٹھے۔

میرے خیال میں متذکرہ صدر بیانات سے ان کرامات کی حقیقت اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہو گی اب میں کچھ تھوڑا سا حال کشف کا بھی بیان کئے دیتا ہوں۔ دراصل گزشتہ یا آئندہ واقعات کو معلوم کرنے کی جستجو انسان کو شاید ابتدائے آفرینش ہی سے رہی ہے چنانچہ عہد عتیق میں ایسے کئی علوم پیدا ہوئے اور آج تک موجود ہیں جو انسان کا ماضی یا مستقبل بتا سکتے ہیں۔ ان میں سے نجوم، رمل، جفر، علم قیافہ اور علم الید بہت مشہور ہیں۔

اب، ہمارے جعلی پیروں میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جو ان میں سے کسی علم خصوصاً نجوم میں مہارت تامہ حاصل کر لیتے ہیں اب جو کوئی ان سے ملنے آتا ہے تو وقت اور ساعت دیکھ کر اور کبھی کبھی اس کا نام معلوم کر کے نجوم کے ذریعہ اس کی دو چار گذشتہ باتیں بتا دیتے ہیں اور سننے والا لامحالہ ان کا معتقد ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد پیر صاحب مستقبل کے متعلق جو کچھ بھی بتائیں خواہ وہ غلط ہو یا صحیح وہ شخص خواہ مخواہ یقین کر لیتا ہے۔ بعض آدمی جو ستارہ سہیل کی ساعت میں پیدا ہوتے ہیں ان میں یہ طاقت فطرتی ہوتی ہے جو کچھ ان کے منہ سے نکل جاتا ہے اکثر صحیح ہوتا ہے بعض پیر نفسیات اور قیافہ کی مدد سے دو چار اگلی پچھلی باتیں بتا دیتے ہیں۔ بعض نہایت چالاک لوگ جو ہپناٹزم میں اچھی طرح مہارت رکھتے ہیں یہ چالاکی کرتے ہیں کہ اپنی قوت ارادی سے سائل کے دل میں کوئی سوال خود ہی پیدا کر دیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ تمہارے دل میں یہ خیال یا یہ سوال ہے اب وہ بیچارہ معتقد نہ ہو تو کیا ہو۔ یہ تو تھیں عقل والوں اور

سیانوں کی باتیں کشف تو پاگلوں اور مجذوبوں کو بھی ہوتا ہے اور بہت زیادہ ہوتا ہے یہ بھی پچھلی اور اگلی باتیں بتا دیتے ہیں۔

میرے مشاہدے میں اس سے بھی زیادہ حیران کن باتیں آئی ہیں میں نے ایک چھ سال کی لڑکی کو دیکھا جس کی بابت یہ مشہور تھا کہ اس کے سر پر جن آتا ہے۔ اس لڑکی پر جب دورہ پڑتا اور وہ نیم بے ہوش ہو جاتی تھی تو اکثر سوالات کا بالکل صحیح جواب دے دیتی تھی۔ سب سے عجیب بات یہ تھی کہ آپ جہاں سے کہیں وہیں سے قرآن شریف سنانا شروع کر دیتی اور رکوع پر رکوع سناتی چلی جاتی حالانکہ وہ الف بے تے بھی نہیں جانتی تھی۔ اسی طرح میں نے ایک 18 سالہ لڑکا دیکھا کہ اس پر جب اسی قسم کا دورہ پڑتا تو انگریزی میں فصیح و بلیغ تقریر کرنے لگتا۔

الغرض! جس کو تحقیق کا شوق ہو اور وہ تفتیش و تفحص کرے تو ایسے کئی واقعات بچشم خود دیکھ سکتا ہے لیکن مصیبت یہ ہے کہ ان باتوں کی نفسیاتی وجہ نہ تو کسی ماہر نفسیات کو معلوم ہے نہ کوئی فلاسفر' سائنسدان یا عالم دین جانتا ہے نہ ہمارے صوفیاء اور اولیائے کرام ہی نے کبھی یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ میں نے بھی تکمیل فقر کے بعد سالہا سال اس کی تحقیق پر صرف کئے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ لیکن جو بندہ یا بندہ جب نیوٹن پر کشش ثقل کا راز منکشف ہو سکتا ہے تو میں کیوں محروم رہتا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس کا کچھ راز مجھ پر منکشف کر دیا جو میں آپ کو بھی بتائے دیتا ہوں لیکن اس بات کا ذمہ نہیں لیتا کہ آپ سمجھ بھی جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان ایک بہت ہی عجیب و غریب مخلوق ہے اور اس میں ایسی ایسی مادی 'ملکوتی' جبروتی اور لاہوتی طاقتیں پنہاں ہیں جو خود اس کی سمجھ میں بھی نہیں آتیں۔ ان میں سے کچھ طاقتیں تو ظاہر ہو چکی ہیں کچھ ہو رہی ہیں اور کچھ آئندہ ہوں گی اور ممکن ہے کہ کچھ طاقتیں قیامت کے دن ہی ظاہر ہوں۔ یوں تو انسانی جسم کا ایک ایک عضو' ایک ایک رگ' بلکہ ایک ایک ذرہ کرشمہ قدرت کا طلسمات خانہ ہے لیکن سب سے زیادہ عجیب اس کا دماغ ہے۔ انسان سے جتنے بھی نوادرات ظاہر ہوتے ہیں ان سب کا ماخذ دماغ ہی ہے۔ ماہران نفسیات نے اگرچہ انسانی دماغ کی مادی ساخت کے متعلق بہت کچھ علم حاصل کر لیا ہے لیکن وہ غیر مادی قوتیں جو ظہور پذیر ہو کر اس کے ارادے اور تخیل کو وجود ظاہری یا مادی بخشتی ہیں ان کا مکمل حال نہ اب تک کسی فلاسفر کو معلوم ہو سکا ہے نہ کسی ماہر نفسیات کو۔ ان میں سے خاص خاص قوتیں یہ ہیں۔

ارادہ' خیال' تصور' احساس' حزن و مسرت اور وہ کوائف جن کا تجربہ صرف شاعروں' مفکروں اور اولیاء اللہ کو ہوتا ہے۔ فلسفہ میں ان کو ماخذ یا ذہن کی قوتیں کہتے ہیں۔ تصوف میں ان کا نام لطائف ہے۔

مگر تصوف میں کچھ اور لطیفے بھی ہیں۔ قلب، سر، خفی، اخفی، نفس، عقل اور روح ان کے علاوہ چند اور لطیفے بھی ہیں جن کے لئے ابھی تک کسی زبان میں کوئی نام نہیں ہے۔ ایک کامل صوفی ان سب کی حقیقت اور ماہیت کو کم و بیش ضرور جانتا ہے اور جب تک ان سب کا تھوڑا بہت علم نہ ہو کشف و کرامات کے صدور کی اصل حقیقت سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اس چھوٹے سے خطبہ اور ذرا سے وقت میں ان سب کی پوری تفصیل بیان کرنا تو ناممکن ہے۔ صرف اتنا بتایا جاسکتا ہے کہ جیسا ماہرین نفسیات کہتے ہیں انسانی دماغ کے دو حصے ہیں ایک شعور سے متعلق ہے دوسرا لاشعور سے (شعور کیا ہے اور لاشعور کیا۔ یہ بات بھی بہت وضاحت طلب ہے لیکن یہاں اس کی بھی گنجائش نہیں) اب ہوتا یہ ہے کہ جب شعور غائب یا فنا ہو جاتا ہے یعنی جب حواس ظاہر کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو لاشعور جاگ اٹھتا ہے اور اس کا تعلق عالم روحانی یعنی طبقات ملکوت، جبروت، لاہوت، ہاہوت اور ہو وغیرہ سے قائم ہو جاتا ہے۔

اب جاننا چاہئے کہ جو واقعات اس عالم مادی میں ظہور پذیر ہوتے ہیں ان سب کی تحریک اور روحانی تغیر عالم قضا و قدر میں ہوتی ہے اور وہاں سے متذکرہ بالا عوالم میں تنزل کرتی ہوئی اس عالم مادی میں ظہور پذیر اور متشکل ہو کر ظاہری حواس کے ذریعہ انسان کے علم میں آتی ہے۔ اس لئے جس آدمی کا لاشعور بیدار ہونے کی وجہ سے ان عوالم سے متعلق ہوتا ہے آئندہ ہونے والے کچھ واقعات اس کے لاشعور پر منعکس ہو جاتے ہیں اور ایک کیفیت بے خودی میں اس کے منہ سے نکل جاتا ہے کہ فلاں بات ہونے والی ہے۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس شخص کو تمام عالم روحانی کا ہر واقعہ یا ہر بات معلوم نہیں ہوتی بلکہ اس کی روح کو اپنے جس قدر ماحول کا علم ہوتا ہے صرف اتنے ہی حصہ میں سے تنزل کرنے والے واقعات معلوم ہو سکتے ہیں اور یہ امر کہ کسی روح کا ماحول کتنا وسیع ہے اس کی لطافت اور طاقت پر منحصر ہے۔

الغرض! اس طرح وہ باتیں جو اس دنیا میں کچھ وقت بعد ظاہر ہونے والی ہیں اس کو پہلے سے معلوم ہو جاتی ہیں۔ یہی کشف کہلاتا ہے۔ پاگلوں اور مجذوبوں سے جو کشف کی باتیں ظاہر ہوتی ہیں ان کا سبب بھی یہی ہے کہ ان کے حواس ظاہر معطل اور لاشعور بیدار ہوتا ہے۔ یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ ان کا لاشعور ہر وقت ہی بیدار رہتا ہے۔ ہرگز نہیں صرف کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے اوپر جو واقعہ قرآن پڑھنے والی لڑکی اور انگریزی بولنے والے لڑکے کا بیان کیا گیا ہے اس کی توضیح بھی یہی ہے چونکہ یہ لڑکی اور لڑکا اس وقت عالم بے ہوشی میں ہوتے تھے اور ان کے ظاہری حواس معطل ہو جاتے تھے اس لئے ان کا لاشعور جاگ اٹھتا تھا۔ اس حالت میں اس لڑکی کی روح کا تعلق کسی مردہ یا زندہ حافظ قرآن کی روح سے عارضی طور پر قائم ہو جاتا تھا اور وہ قرآن پڑھنے لگتی تھی۔ اسی طرح لڑکے کی روح کسی انگریزی خواں کی روح سے پیوستہ ہو

جاتی تھی اور وہ انگریزی بولنے لگتا تھا۔

یہ باتیں میں نے اپنی طرف سے تو نہایت آسان اور سادہ زبان میں زیادہ سے زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کی ہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ ہمارے حلقے کے ان چند حضرات کو چھوڑ کر جنہوں نے تعمیر ملت کو بہت غور و خوض سے پڑھا اور سمجھا ہے اور کسی کی سمجھ میں اچھی طرح نہ آئی ہوں گی۔ اس معاملہ میں میں مجبور محض اور معذور ہوں۔ مشکل یہ ہے کہ روحانیت کے متعلق جتنی چیزوں کا حال ہم کو بیان کرنا پڑتا ہے ان کی نہ تو کوئی مثال اس عالم مادی میں موجود ہے نہ ہماری کسی زبان میں ان کے کماحقہ اظہار کے لئے مناسب الفاظ موجود ہیں۔ اسلئے ان کی اصل حقیقت صرف وہی سمجھ سکتے ہیں جو کر کے دیکھتے ہیں۔ پڑھنے یا سننے سے یہ حقیقت ہرگز سمجھ میں نہیں آسکتی۔ کسی نے خوب کہا ہے

محبت کی بھی جا سکتی ہے سمجھائی نہیں جاتی

بالکل یہی بات لطائف روحانی پر بھی صادق آتی ہے اور سچ پوچھو تو محبت بھی ایک لطیفہ روحانی ہے۔ اس وقت مجھے حضرت مولانا روم کا ایک شعر یاد آیا۔ فرماتے ہیں۔

چشم بند و گوش بند و لب بند
گر نہ بینی سر حق بر من بہ خند

یعنی آنکھ، منہ اور کان بند کر لے اگر اس پر بھی راز حق تجھ کو نہ معلوم ہو سکے تو جتنا دل چاہے میرا مذاق اڑانا۔ یہاں آنکھ منہ اور کان بند کرنے سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ ہاتھوں سے ان کو بند کر لو۔ آنکھوں پر پٹی باندھ لو۔ کانوں میں روئی ٹھونس لو اور ہونٹوں کو گوند سے چپکا لو جیسا کہ ہمارے بہت سے سالک کیا کرتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ کامل نفی کرنا سیکھو تاکہ تمہارے یہ حواس معطل ہو جائیں اور تم عالم روحانی کے اسرار ربانی کا مشاہدہ کر سکو۔

امید ہے کہ اب آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ کشف و کرامات کے صدور کا اصل سبب کیا ہے اگر یہ سب کچھ آپ کی سمجھ میں نہ آیا ہو تب بھی اتنا یقین تو ضرور آگیا ہو گا کہ صرف کشف و کرامات کی وجہ سے کسی کو ولی اللہ ہرگز نہ ماننا چاہئے۔ اولیاء اللہ میں بھی یہ طاقت ارتکاز اور قوت ارادی ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ان کا طریقہ کار کچھ اور ہوتا ہے اور جتنی یہ طاقت ان میں ہوتی ہے نہ کسی مسمرائزر اور ہپناٹسٹ میں ہوتی ہے نہ کسی یوگی اور جوگی میں۔ ان کے لئے یہ سب کچھ بہت معمولی باتیں ہیں اور ان میں یہ طاقت بالکل ابتداء ہی میں پیدا ہو جاتی ہیں لیکن ان کا مقصود چونکہ اللہ کی معرفت ہے۔ اس لئے وہ اپنا وقت ان پر خراب نہیں کرتے۔ تصوف کے جو مبتدی اس طاقت پر نازاں ہو کر یہ تماشے دکھانے میں

مصروف ہو جاتے ہیں وہ منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے نامراد رہ جاتے ہیں۔ عوام چونکہ کرامتوں کے بہت معتقد ہوتے ہیں اس لئے پہلے زمانے کے اولیاء لوگوں کو مسلمان بنانے کے لئے کرامتیں دکھایا کرتے تھے لیکن اس زمانہ میں سائنسی ایجادات و اکتشافات کی وجہ سے چھوٹی موٹی کرامتوں کی کوئی قدر اہل علم کی نظر میں نہیں ہے وہ ان باتوں کو شعبدہ بازی سمجھتے ہیں۔ مثلاً" ان سے کہو کہ فلاں بزرگ ہوا میں اڑ سکتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ وہ تو اکیلا ہی اڑتا ہے ہمارے ہوائی جہاز تو سینکڑوں آدمیوں اور ہزاروں من بوجھ کو اڑا لے جاتے ہیں۔

میں نے ایک انگریز سے کہا کہ ہمارے اولیاء اللہ اپنی آواز ہزاروں میل دور پہنچا سکتے ہیں تو وہ کہنے لگا کہ یہ تو کوئی بات نہیں۔ ہمارے وائرلیس تو ہماری آواز ستاروں تک پہنچاتے اور وہاں کی آوازیں سن سکتے ہیں۔" اسی طرح ایک دفعہ ایک مجلس میں ذکر آیا کہ فلاں بزرگ پانی پر اس طرح چلتے تھے کہ جیسے ہم خشکی پر چلتے ہیں تو ایک دوست بولے کہ "وہ تو اکیلے ہی دریا پار کرتے تھے۔ ایک ہندو سیٹھ اس دریا پر پل بنوا دے اور روزانہ ہزاروں آدمی اور لاکھوں من بوجھ پل کے ذریعہ دریا پار کر جائے تو معاشرہ کے لئے کون زیادہ مفید اور زیادہ قابل قدر ہے۔ وہ بزرگ جو اکیلا دریا کو پار کرتا ہے یا وہ ہندو جس کی وجہ سے خلق خدا کو اتنا آرام ملتا ہے" قصہ مختصر مغربی تعلیم یافتہ کرامات وغیرہ کی کوئی خاص قدر نہیں کرتے۔ آج کل تو علم و عمل کا زمانہ ہے اور یہ لوگ پر کیف و سکون اور راحت و مسرت سے بھرپور زندگی کی تلاش میں سرگراں ہیں۔ لیکن یہ دولت حصول روحانیت کے بغیر میسر نہیں آسکتی۔

لہٰذا ان کو تصوف کی وہ اعلیٰ تعلیم دینی چاہئے جو کشف و کرامات کی شعبدہ بازی سے بلند و برتر ہو اور ان کی دنیا کو جنت بنا دے۔

پچھلے سال کے خطبہ میں میں نے بتایا تھا کہ تصوف کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سکری' دوسری صحوی' آج میں ان دونوں کی کچھ تشریح کروں گا۔ دراصل طریقت کی بے شمار منزلیں طے کر کے عرفان ذات باری تعالیٰ تک پہنچنے کے صرف دو راستے ہیں ایک راستہ عشق کا ہے جو جذب کہلاتا ہے دوسرا عبادت و تقویٰ کا ہے جس کو سلوک کہتے ہیں (آج کل دونوں طریقوں کے لئے ایک لفظ "سلوک" ہی استعمال ہو[تا] ہے۔

جذب سے انسان پر ایک ایسا نشہ طاری ہوتا ہے اور ایسی بے خودی پیدا ہوتی ہے کہ بعض او[قات] گھنٹوں تک اپنے وجود کا بھی ہوش نہیں رہتا۔ لیکن سلوک میں نشہ ہوتا ہے نہ بے خودی۔ سلوک [کے] طریقہ سے انسان ایک مدت دراز میں مقصود تک پہنچتا ہے لیکن جذب کی راہ سے صرف چند ماہ یا چند سا[ل]

ہیں وہ گوہر مقصود کو پالیتا ہے۔ جذب کے راستہ کو راہ قلندری بھی کہتے ہیں عراقی نے مندرجہ ذیل شعر میں اسی راہ کی طلب ظاہر کی ہے۔ کہتا ہے

ضمارہ قلندر سزدا رہ من نمائی

کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

اس سے یہ نہ سمجھنا کہ جذب کے راستے میں شریعت اور نماز روزہ لازم ہی نہیں ہے صرف اتنی بات ہے کہ کامل بے خودی کی وجہ سے بعض اوقات نماز قضا ہو جاتی ہے تو وہ بعد میں ادا کر لینی چاہئے۔ صحیح اور آسان ترین راستہ یہی ہے، کہ انسان شریعت کے راستہ پر عشق کے براق پر سفر کرے۔ سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم یہی ہے۔

سلسلہ توحیدیہ کے جن اصحاب نے سلسلہ کی تعلیم پر باقاعدہ عمل کیا وہ اس بات کی شہادت دے سکتے ہیں کہ اللہ اللہ شروع کرنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد قلب میں ہلکا ہلکا سوز اور سرور پیدا ہونے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ ایسا نشہ اور بے خودی پیدا ہوتی ہے جس کا مقابلہ دنیا کی کسی چیز سے نہیں کیا جا سکتا۔ اس بے خودی میں ایسا کیف و مزہ ہوتا ہے کہ انسان ہر قسم کے رنج والم کو بھول کر اسی کا ہو رہتا ہے۔ لیکن یہی کیفیت جذب اگر زیادہ بڑھ جائے تو انسان کی عقل جاتی رہتی ہے اور وہ ایسا مجذوب بن جاتا ہے جیسے کہ ہمارے شہروں اور قصبات میں ہر جگہ لنگوٹی باندھے یا بالکل برہنہ پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس لئے شیخ طریقت کا فرض ہے کہ وہ اپنے مریدوں کے حال پر نگاہ رکھے اور جذب کو حد سے نہ بڑھنے دے۔ جذب کی اس کیفیت میں انسان کا دل مطلق نہیں چاہتا کہ کوئی کام کرے وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ گوشہ تنہائی میں پڑا اسی کے مزے لوٹتا رہے۔ نہ اس کو فقر و فاقہ کی پرواہ ہوتی ہے نہ بال بچوں کے حقوق و فرائض ادا کرنے کا خیال۔

ظاہر ہے کہ ایسے آدمیوں کی دنیا تباہ ہو جاتی ہے اور وہ معاشرہ پر ایک بار گراں ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہی ہیں وہ لوگ جو پاکستان کے طول و عرض میں جگہ جگہ اڈے جمائے پڑے ہیں۔ چونکہ بیخودی کے عالم میں کرامات بہت ظاہر ہوتی ہیں اس لئے دنیا والے عمل اور شرع سب کچھ چھوڑ کر انہی کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ ذرا سی مشکل پیش آئے تو کوشش و سعی سے اس کو دور کرنے کی بجائے سیدھے پیر صاحب یا سائیں بابا کے پاس دوڑے چلے جاتے ہیں۔ یہ لوگ ایک طرف تو عمل سے عاری ہو جاتے ہیں دوسری طرف خدا اور رسول ﷺ سے بھی غافل رہتے ہیں ان کو ہر بات کے لئے صرف "بابا" یاد رہتا ہے۔ یہ "بابا" لوگ خود تو کچھ کرتے نہیں دوسروں کو بھی یہی تلقین کرتے ہیں کہ توکل کئے پڑے رہو تمہاری تقدیر کا حصہ تم

تک خود بخود پہنچ جائے گا۔ یہ اور اسی قسم کے تمام فقیر سکری یعنی نشی فقیر کہلاتے ہیں اور معاشرے کے لئے بے انتہاء تباہ کن ثابت ہوئے ہیں۔

ان کے برخلاف وہ سالک ہیں جو "جذب" پر قابو رکھتے ہیں۔ دینی فرائض باقاعدہ ادا کرتے ہیں۔ دنیا کے بھی سارے کام محنت اور ذوق و شوق سے انجام دیتے ہیں۔ اپنے دنیوی فرائض کو جانتے ہیں اور بال بچوں، ماں باپ، عزیز و اقارب، ہمسایوں اور شہریوں کے تمام حقوق کما حقہ پورے کرتے ہیں ان کا کردار ایک شریف، بہادر اور غیور انسان کا کردار ہوتا ہے۔ ان میں حوصلہ، ہمت، جرات، خود اعتمادی، عمل، یقین اور محبت وغیرہ جیسی تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں اور ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ وہ اللہ اور رسول ﷺ کے عاشق زار، حق آگاہ و حق بین، اول درجہ کے عقل مند، فہیں، دانشور اور معاملہ فہم ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ان میں روحانی قوت بھی ہوتی ہے جس سے وہ لوگوں کے دل موہ لیتے ہیں اگر ایسے لوگوں کی تعداد قوم میں دس فیصد بھی ہو تو وہ کبھی ذلیل و خوار نہیں ہو سکتی بلکہ دن رات ترقی کرتی چلی جاتی ہے۔

الغرض! یہ ہے صحوی تصوف اور یہ ہیں وہ صحوی صوفی جو مردوں کو جلاتے اور جینے والوں کو پر لگا کر اڑاتے ہیں۔

میں نے خطبہ کے شروع میں کہا تھا کہ میں آپ کو بتاؤں گا کہ میں نے یہ نیا سلسلہ کس غرض سے قائم کیا ہے اور میں کیا چاہتا ہوں تو اب میں بتاتا ہوں کہ میں آپ کو صحوی تصوف سکھانا اور انسان کامل بنانا چاہتا ہوں۔ میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ حقائق کو چھوڑ کر کوائف میں کھو جائیں۔ دنیا کا کوئی کام نہ کریں۔ تو کل کی چادر اوڑھے شراب معرفت کے نشہ میں مست پڑے کرامتیں دکھایا کریں۔ میں جس راستہ پر آپ کو چلانا چاہتا ہوں وہ بالکل ہمارے سرکار ابد قرار احمد مختار ﷺ کے نقش قدم پر جاتا ہے جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو رسول اللہ کے اسوہ حسنہ سے ملا لو۔ اگر میں کہیں غلطی پر ہوں تو مجھے آگاہ کر دو۔ میں اپنے طریقے میں بڑی خوشی سے ترمیم کر لوں گا جو لوگ اس راستہ پر چلنا نہیں چاہتے ان کو چاہئے کہ حلقہ سے الگ ہو جائیں اور کسی ایسے سلسلہ میں شریک ہو جائیں جو ان کی خواہش اور مرضی کے مطابق ہو۔

اچھا! آیئے اب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس حلقہ کو کامیاب فرمائے اور ہم سب کو صحیح معنوں میں حضور اکرم ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔ یا رب العالمین

(بحوالہ! چراغ راہ، خطبہ نمبر2 سے اقتباس)

روحانی سیر

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

انسانی جسم پر حکمرانی کرنے والی اور اس کے تمام اعضاء کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے والی اصل طاقت ہی انسان کی حقیقت ہے اسے روح کا نام دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انسان کو اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ بندگی نباتات' جمادات اور ملائکہ کی اطاعت سے یقیناً مختلف ہے ورنہ بندگی کو انسان کے لئے مخصوص نہ کیا جاتا۔ انسان سے جو بندگی مطلوب ہے اس سے مراد وہ والہانہ اطاعت ہے جو معرفت اور شدید محبت سے معمور ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو محبت کا جوہر عطا کر کے اس زمین پر بھیجا جہاں کا پتا پتا اور ذرہ ذرہ اس کی صفات کا مظہر بن کر اللہ کی تلاش و جستجو اور اس کے قرب و رضا کی دعوت دے رہا ہے۔ بقول اقبال''

یہ دنیا دعوت دیدار ہے فرزند آدم کو
کہ ہر مستور کو بخشا گیا ہے ذوق عریانی

(ارمغان حجاز)

اس عظیم سعادت کے حصول کے لئے انسان کو ظاہری حواس عطا کئے گئے تاکہ ان کے ذریعے مادی مظاہر فطرت کا مطالعہ و مشاہدہ کر کے روح اپنے رب کی معرفت حاصل کرے اور اس کی محبت میں آگے ہی آگے بڑھتی چلی جائے۔ یہ روح انسانی کا صرف ایک رخ ہے جو عقل و شعور کے توسط اور حواس خمسہ کے سبب مادی عالم سے جڑا ہوا ہے۔ اس کا ایک دوسرا رخ بھی ہے اور اس کا تجربہ کم و بیش ہر انسان کو ہوتا ہے اور ہر روز ہوتا ہے انسان جب سو جاتا ہے تو اس کا شعور عارضی طور پر معطل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے اردگرد کے حالات بلکہ اپنے جسم سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔ اس بے خبری کی کیفیت میں کئی مرتبہ عالم خواب میں آئندہ پیش آنے والے یا دور و دراز مقامات پر ہونے والے واقعات اسے نظر آ جاتے ہیں۔ حالانکہ بیداری کی حالت میں ایسا نہیں ہوتا۔ اسی طرح جاگتے میں بغیر کسی ظاہری ذریعہ علم اور شعوری کوشش کے کبھی کبھی خیال یا تجویز اچانک ہمارے دل و دماغ میں وارد ہو جاتی ہے۔ اسے چھٹی حس یا E.S.P کا نام دیا جاتا ہے۔

ان تجربوں سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ روح انسانی کا تعلق کسی دوسرے عالم سے بھی ہے جہاں شعور کا عمل دخل نہیں اور ظاہری آنکھوں کے علاوہ ایک باطنی حس بھی ہے جو دیکھنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہے۔ خواب کے علاوہ بھی اگر کوئی انسان اس امر پر قادر ہو کہ اپنے حواس ظاہری کو اپنی قوت ارادی سے عارضی طور پر معطل کر لے یعنی مادی عالم کی نفی کر کے مراقبہ میں چلا جائے تو اس کا تعلق عالم روحانی سے قائم ہو سکتا ہے۔ نفسیات کی زبان میں یوں کہہ لیں کہ جب شعور غائب ہو جائے تو لاشعور جاگ اٹھتا ہے اور اس کا تعلق روحانی طبقات سے ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص صلوۃ و ذکر اور مجاہدے کے ذریعے اپنے قلب کا تزکیہ کسی حد تک کر چکا ہو تو خواب یا نیم بیداری کی کیفیت میں آئندہ ہونے والے کچھ واقعات اس کے لاشعور میں منعکس ہو جاتے ہیں یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس شخص کو تمام عالم روحانی کا ہر واقعہ معلوم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی روح کو اپنے مقام کی مناسبت سے جس قدر ماحول کا علم ہوتا ہے صرف اسی حصے میں سے تنزل کرنے والے واقعات معلوم ہو سکتے ہیں۔ جو لوگ روحانی سلسلوں میں بیعت ہو کر مطلوبہ صلاحیت حاصل کر لیتے ہیں ان میں سے کئی ایک کو اس طرح کے تجربات ہوتے رہتے ہیں۔ جو لوگ نفی اثبات کا ذکر صحیح طریقے سے کرتے اور پاس انفاس کے ذریعے اپنی توجہ اور دھیان اللہ کی طرف لگائے رکھتے ہیں ان کا دل بیدار ہو جاتا ہے اور ان کے قلب کی وہ آنکھ کھل جاتی ہے جو مادی دنیا کے اس پار کے عالم میں جھانک سکتی ہے۔ اس مشاہدے کو روحانی سیر کا نام دیا جاتا ہے۔

ان میں سے بعض سالکوں کو نور، روشنی یا روحانی شکلیں نظر آتی ہیں۔ خواب یا جاگتے میں روحیں نظر آنے لگتی ہیں۔ دوزخ اور جنتوں کی سیر ہوتی ہے۔ فرشتوں اور انبیاء کی زیارت ہونے لگتی ہے۔ لیکن ہر ایک کے ساتھ ایسا ہونا ضروری نہیں ہے۔ ان میں سے بعض تو اللہ تعالیٰ کی یاد اور محبت میں اسقدر مستغرق ہوتے ہیں کہ کسی اور چیز کو دیکھنے کی فرصت اور استعداد ہی ان میں باقی نہیں رہتی اور بعض کی آنکھوں پر اللہ تعالیٰ خود پردہ ڈال دیتا ہے ورنہ وہ ان دلفریب نظاروں کی سیر ہی میں پھنس کر رہ جائیں۔ اس لئے جن سالکوں کو کچھ بھی نظر نہ آئے انہیں یہ خیال ہرگز نہ کرنا چاہئے کہ ہماری ترقی نہیں ہو رہی۔ انہیں یہ دیکھنا چاہئے کہ مرشد کی دی ہوئی تعلیم پر عمل کرنے

سے قلب میں سوز محبت اور اللہ کی ذات سے تعلق اور اس پر توکل بڑھ رہا ہے' دنیا کی محبت کی بجائے آخرت کی فکر دل میں بڑھ رہی ہے اور اخلاق کی اصلاح ہو رہی ہے یا نہیں۔ روحانی اثرات کا جلد یا دیر سے پیدا ہونا اور روحانی سیر کا ہونا یا نہ ہونا دراصل سالک کی ذہنی اور روحانی بناوٹ پر منحصر ہوتا ہے۔

اس لئے اس کے بارے میں تشویش لاحق نہیں ہونی چاہئے۔ سالک کو کچھ دکھائی دے یا نہ دے لیکن اللہ کے ذکر کے اثرات ضرور مرتب ہوتے ہیں۔ راہ تصوف اور ذکر کا مقصود روشنیاں اور روحانی صورتیں دیکھنا تو نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا حصول ہے۔ للذا خلوص کا تقاضا یہی ہے کہ راستے کے ان نظاروں کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنے آقا اور محبوب کا ذکر پورے ذوق و شوق سے جاری رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے کثرت سے ذکر کرنے والوں کے لئے قرآن کریم میں جس نعمت کا وعدہ فرمایا ہے وہ اصل دولت ہے اور ہر ایک کو عطا کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے کہ دل صرف اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کرونگا اور یہ بشارت بھی فرمائی کہ کثرت سے ذکر کرنے والوں کے لئے ہم نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے یہی نعمتیں سب سے بڑی ہیں اور یہی دراصل مطلوب ہیں۔ ان کے علاوہ جو کچھ ملے یا دکھائی دے تو یہ مالک کی اضافی رحمت اور سالکوں کے لئے حوصلہ افزائی کا سامان ہے۔

قارئین "فلاح آدمیت" کی دلچسپی کی خاطر گذشتہ چند شماروں میں ہم بانی سلسلہ توحیدیہ" کے چند روحانی مشاہدات پیش کر چکے ہیں۔ اب بھی سلسلے کے کئی بھائی اس طرح کی چیزیں دیکھتے رہتے ہیں۔ چونکہ اپنے روحانی مشاہدات دوسرے بھائیوں کو بتانے کی اجازت نہیں ہوتی اس لئے وہ ان کا ذکر کسی سے نہیں کرتے۔ ایسے بھائی راہنمائی حاصل کرنے کے لئے ایسے خواب یا مشاہدات مجھے لکھ کر بھیج دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں حال ہی میں آئے ہوئے دو بھائیوں کے خط ان کا نام لکھے بغیر یہاں نقل کر رہا ہوں۔

☆ ایک صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "کل میں خانہ کعبہ گیا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا گھر بہت ہی خوبصورت لگ رہا تھا۔ مجھے جانے کیا ہوا کہ بس میں اللہ سے چمٹ گیا اور مجھے بہت سکون ملا۔ لیکن

ساتھ ہی ڈر بھی رہا تھا کہ انہیں کہیں کھو نہ دوں۔ اس لئے میں نے اللہ میاں کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ لیا کہ اب کہیں نہیں جانے دوں گا اللہ کو۔ یہ میرے ہیں۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے حضور ﷺ کے روضہ مبارک کی سنہری جالیاں بھی دیکھیں مگر ان کے قریب نہ جا سکا۔ نجانے کیوں۔ غالباً ابھی میں اس قابل نہیں ہوا۔ ایک رات پہلے ایک بزرگ خواب میں ملے۔ ان کی آنکھیں سبز تھیں لیکن ان کی ڈاڑھی نہ تھی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ میں جو کچھ چاہتا ہوں کیا وہ مجھے مل جائے گا۔ وہ چپ ہو گئے لیکن میں سب کچھ سمجھ گیا"

☆ دوسرے بھائی رقمطراز ہیں "مجھ پہ کئی ماہ سے جو کیفیات وارد ہوئیں ان کو بیان کرنا ذرا مشکل ہے۔ ایک دفعہ روحانی پرواز کے بعد ایسے سمندر نما مقام پہ پہنچا جہاں ماسوائے سکون و راحت کے اور کچھ محسوس نہیں ہوا اور کافی دیر میں اس عالم میں غرق رہا۔ اس کے علاوہ بارہا روحانی پروازیں ہوئیں مگر ان میں سے کسی بھی عالم کی وضاحت کرنے سے قاصر ہوں۔ دو دن قبل نیم بیداری کی حالت میں کیا دیکھتا ہوں کہ فضا میں ایک نغمہ سا گونج رہا ہے جس کا مفہوم کچھ اس طرح تھا کہ ہم نے آپ کو جن و انس اور دیگر مخلوق پر شہنشاہی عطا کی۔ اس نغمے کو میں بھی دہرانے لگا۔ جونہی میں نے یہ الفاظ یا اس کے مماثل الفاظ دہرائے تو میں نے یکایک حضرت سلیمان علیہ السلام کی قربت محسوس کی۔ اس کے ساتھ ہی ٹارچ کی روشنی کی مانند شعاؤں میں سے ایک میرے قلب کی جانب جب کہ دوسری شعاع سینے کی دوسری جانب پیوست ہو گئی۔ ان شعاؤں کی شدت اس قدر زیادہ تھی کہ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے دو بھاری سی میخیں میرے سینے میں گاڑ دی گئی ہوں۔ اس کے ساتھ ہی میری پرواز راکٹ کی سپیڈ سے بلندی کی طرف شروع ہو گئی اردگرد کے تمام مقامات کی ماہیت ایک طویل پٹی کی مانند تھی جس میں ایک حصہ ہلکے سفید رنگ کا اور دوسرا بالکل خلاء کی طرح کا تھا۔ یہ کیفیت کافی دیر تک مجھ پر طاری رہی۔ پھر کچھ لمحے بعد بالکل یہی کیفیت دوبارہ شروع ہو گئی اس مرتبہ فرق صرف یہ تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بجائے حضور نبی کریم ﷺ کی روحانیت سے فیضان ملا۔ اگرچہ ان مقدس ہستیوں کی صورت و شباہت تو نظر نہ آئی مگر یہ یقین حاصل رہا کہ یہ فیض انہی سے مل رہا ہے۔ یہ کیفیات اس طرح وارد ہوئیں جیسے کسی مریض کو بے

ہو سکے کہ بعد اس کا ایک نفل کیا جاسکے۔ ان سوالات پر حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے جو گمراہی یا مغالطہ کا شکار ہو گئے تھے۔ تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق نہیں کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے یا حضرت نوح علیہ السلام۔ یہ کہ وہ ان کیفیات سے گزرے جو مراحل و مراتب آئیں۔ اس کے بعد میں ایک عجیب قسم کے سکون و اطمینان تک پہنچ گیا جس میں واصل ہو کر بہت فرحت حاصل ہوئی۔"

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنے والوں کو عجیب و غریب قسم کی روحانی کیفیات سے واسطہ پڑتا ہے۔ ہر سالک کا راستہ اور راستے کی سیر ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ ان نازک مقامات اور کیفیات سے سلامتی کے ساتھ گزرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل اور رحمت کی ہر قدم پر ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے ساتھ جو خطرات وابستہ ہیں ان کی نشاندہی کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنے ہادی و مرشد حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری کی کتاب "تعمیر ملت" سے متعلقہ اقتباس آپ کی خدمت میں پیش کروں۔

"جذب کی طرح کشف الشہود اور رویت ارواح میں بھی کئی بڑے خطرات ہیں ایک تو یہ کہ یہ تماشا بہت دلچسپ ہوتا ہے اور اسے چھوڑ کر آگے بڑھنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔ دوسرے یہ کہ اکثر سالکوں کے دل میں اس کی وجہ سے کبر و غرور پیدا ہو جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اکثر سالک رویت ارواح کو ہی انتہائے بزرگی اور منتہائے سلوک سمجھ لیتے ہیں۔ ان تینوں باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ان تمام اشغال و اوراد سے دستکش ہو جاتے ہیں جو تکمیل سلوک کے لئے ضروری ہیں۔ وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ یہ تو سلوک کی الف بے ہے ابھی تو دائرہ ولایت میں پہلا قدم بھی نہیں رکھا گیا۔ ہم خود کئی ایسے طالبوں کو جانتے ہیں جو اس مقام پر ایسے چپکے کہ پھر آگے نہ بڑھ سکے اور اپنے اصلی مقصد یعنی حصول معرفت و رویت باری تعالیٰ سے محروم رہ گئے۔ اس لئے طالبان راہ حق کے فائدے کے لئے عرض کیا جاتا ہے کہ اگر یہ مشاہدات پیش آئیں تو انہیں پرپشہ کے برابر بھی وقعت نہ دو۔ ہو سکے تو بالکل نفی کر دو، نہ ہو سکے تو نظر انداز کر کے برابر آگے بڑھتے رہو اور اس وقت تک ان سے واسطہ نہ رکھو جب تک کہ تم اس پر قادر نہ ہو جاؤ کہ اصل حقائق کو پردہ عدم سے آگے ہی لگتا ہے"

تصوف کیا ہے

(مولانا منظور احمد نعمانی)

تصوف اور اس کے اعمال و اشغال کے متعلق بعض شبہات

1۔ ایک صاحب نے تحریر فرمایا ہے

"تصوف کی جو اہمیت آپ کے اس مقالہ سے ظاہر ہوتی ہے اگر واقعتہ اس کی اتنی ہی اہمیت ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق اور اس کے اعمال و اشغال سے متعلق صریح احکام کیوں نہیں دیئے؟ یہ بات بالکل سمجھ میں نہیں آتی کہ کوئی چیز دین میں اس قدر ضروری ہو کہ ایمان و اسلام کی تکمیل اس پر موقوف ہو اور رسول اللہ ﷺ نے امت کو اس کی تعلیم نہ دی ہو"

معلوم ہوتا ہے کہ ان صاحب نے میرے مقالہ کو بالکل غور سے نہیں پڑھا میں نے اس میں جو کچھ لکھا ہے اس کا تو حال ہی یہ ہے کہ تصوف کا جو مقصود ہے اور جو اس کی غایت اور غرض ہے (یعنی اللہ کی محبت و خشیت اور یقین و استحضار اور اخلاص و احسان جیسی کیفیات کا حاصل کرنا) سو اس کی تو دین میں اہمیت ہے اور یقیناً" ایمان و اسلام کی تکمیل اس پر موقوف ہے اور بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ امت کو اس کی تعلیم اور ترغیب بھی دی ہے۔ کتاب و سنت کے جو نصوص اس سلسلہ میں پہلے لکھے جاچکے ہیں وہ اس کے ثبوت کے لئے کافی سے زائد ہیں۔ رہے اس کے خاص اعمال و اشغال (مثلاً" اذکار و مراقبات وغیرہ) تو میں یہ صراحت سے لکھ چکا ہوں کہ یہ اس کے صرف وسائل اور ذرائع ہیں اور اس قسم کے ذرائع اور وسائل کے متعلق نبوی ﷺ طریق تعلیم اور اصول تشریح کا تقاضا یہی ہے کہ ان کی تصریح اور تعین نہ کی جائے تاکہ ہر زمانہ کے حالات کے مطابق جو جائز ذرائع اور وسائل مناسب سمجھے جائیں انہیں اختیار کیا جا سکے اور اس میں تصوف کی کوئی خصوصیت نہیں' بلکہ دین کے دوسرے شعبوں کا حال بھی یہی ہے۔

غور فرمایا جائے دین کا سیکھنا سکھانا دین کے بنیادی فرائض میں ہے۔ لیکن کتاب و سنت میں اس کے طریقے کی بھی کوئی تعین نہیں کی گئی۔

اسی طرح قرآن مجید کی حفاظت اور اشاعت امت کا کتنا اہم فریضہ ہے' لیکن رسول اللہ ﷺ

نے اس کے متعلق بھی یہ نہیں بتایا کہ تم اس کے لئے فلاں فلاں طریقے اختیار کرنا' حتی کہ جب عہد صدیقی میں یمامہ کی جنگ میں چار سو حافظ قرآن صحابہؓ شہید ہو گئے' تو سب سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ کو یہ خیال ہوا کہ سینوں میں محفوظ کرنے کے علاوہ ہمیں قرآن کو سفینوں میں محفوظ کرنے کا بھی انتظام کرنا چاہئے۔ اور اس سلسلہ میں خاص اہتمام اور ذمہ داری سے ایک سرکاری نسخہ بھی تیار ہونا چاہئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی یہ تجویز حضرت ابو بکر صدیقؓ کے سامنے پیش کی۔ حضرت صدیقؓ کو ابتدا" اس کے ماننے سے تامل ہوا اور انہوں نے یہی فرمایا کہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے نہ تو خود کیا اور نہ ہمیں اس کا حکم دیا۔ اس کو ہم کیوں کریں۔ لیکن حضرت عمرؓ کے دلائل سے مطمئن ہو گئے اور پھر ان ہی کے حکم سے حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی خاص نگرانی میں یہ کام انجام پایا۔

پھر حضرت عثمانؓ نے اس سلسلہ میں ایک اور قدم اٹھایا کہ اپنے خاص اہتمام سے اور اپنی نگرانی میں اس مصحف کی نقلیں کرا کر تمام بلاد اسلامیہ میں روانہ کیں اور اس وقت سے لے کر اب تک قرآن مجید کی حفاظت و اشاعت' تعلیم و تبلیغ اور ترجمہ و تفسیر کے سلسلہ میں خدمت قرآن کے کتنے ہی نئے نئے قدم اٹھائے جا چکے ہیں۔

پس یہ خیال کہ جو چیز دین میں اہم ہو اس کے ذرائع اور وسائل کی تصریح اور تعین بھی کتاب و سنت میں ہونی چاہئے اور امت کی قیامت تک کی دینی ضروریات کے متعلق تفصیلی اور جزئی ہدایات ہمیں تصریح اور تعیین کے ساتھ کتاب و سنت میں ملنی چاہیں۔ بہت ہی سطحی قسم کا مغالطہ ہے اور انبیاء علیہم السلام کے طریق تعلیم اور اصول تشریع سے ناواقفی کا نتیجہ ہے۔

2۔ ایک صاحب نے دریافت کیا ہے کہ

"اللہ تعالٰی کی محبت و خشیت اور اخلاص و احسان وغیرہ ایمانی کیفیات پیدا کرنے کے لئے تصوف میں جن اعمال و اشغال (مثلاً" صحبت شیخ اور اذکار و مراقبات وغیرہ) پر زور دیا جاتا ہے' کیا کتاب و سنت میں کہیں اس کا اشارہ ملتا ہے کہ ان چیزوں سے یہ کیفیات پیدا ہو سکتی ہیں؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ اگرچہ واقعہ یہی ہے کہ اس عاجز کے نزدیک صحبت اور ذکر و فکر کا قلب پر اثر انداز ہونا کتاب و سنت سے اشارۃ" ہی نہیں بلکہ صراحتہ" بھی معلوم اور ثابت ہے لیکن اگر بالفرض کتاب و سنت میں اس کا کوئی اشارہ بھی نہ ہو تو بھی اصل مدعا پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جب اسلام کی تیرہ سو سال کی تاریخ میں اللہ کے لاکھوں صالح بندے اپنا یہ تجربہ بیان کر رہے ہیں کہ

ان اعمال صالح سے یہ کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں تو ان کی اس تاثیر اور افادیت کو ہمیں مان لینا چاہئے۔

میرے جن دوستوں نے یہ سوال کیا ہے وہ "صالح لٹریچر" کے ذریعہ اصلاح پر بہت یقین رکھتے ہیں (مجھے بھی اس سے انکار نہیں ہے) لیکن وہ سوچیں کیا کبھی انکے دل میں یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ ان کے "صالح لٹریچر" کی اس تاثیر کے متعلق کوئی اشارہ کتاب و سنت میں موجود ہے؟ میرا خیال ہے کہ ان کے دل میں کبھی بھی یہ سوال پیدا نہ ہوا ہو گا' کیونکہ وہ اپنے ذاتی علم و تجربے سے اور اپنے جیسے بہت سے لوگوں کے تجربے سے اس بارہ میں مطمئن ہیں۔ عجیب بات ہے کہ اپنی چیزوں اور اپنے تجربوں کے ساتھ تو ہمارا طرز عمل یہ ہے' لیکن حضرت جنید بغدادی"' سری سقطی"' شیخ عبدالقادر جیلانی"' خواجہ معین الدین چشتی" خواجہ شہاب الدین سہروردی"' مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی"' شاہ ولی اللہ"' سید احمد شہید" جیسے ہزاروں بندگان خدا کا اجتماعی و اتفاقی تجربہ بھی ہمارے لئے موجب اطمینان نہیں۔

3۔ ایک صاحب نے ذکر میں جہر اور ضرب سے اپنا سخت طبعی انقباض ظاہر کیا ہے اور خیال ظاہر فرمایا ہے کہ

"اس میں ریاکاری کا شبہ ہوتا ہے اور آج کل کے اکثر سنجیدہ حضرات اس کو ریاکاری ہی سمجھتے ہیں"

جہری اور ضربی ذکر سے طبعی انقباض تو ایک ذوقی اور طبعی چیز ہے اس لئے اس کے بارے میں کچھ عرض کرنے کی حاجت نہیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طبیعتیں اور ان کے ذوق بہت مختلف بنائے ہیں۔ بعض طبیعتیں وہ بھی ہیں' جنہیں جہری اور ضربی ذکر سے ہی انس اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ اسی لئے مشائخ محققین طبیعتوں کے رخ اور ان کی مناسبتوں کو دیکھ کر جہری یا سری ذکر یا دوسرے اشغال ان کے لئے تجویز کرتے ہیں' لیکن ذکر بالجہر کے بارے میں ریاکاری کا جو شبہ ظاہر کیا گیا ہے یہ میرے نزدیک بالکل بے سوچی سمجھی بات ہے اس زمانے میں جب کہ بقول انہی صاحب کے سنجیدہ آدمی ذکر بالجہر کو ریاکاری سمجھتے ہیں۔ اپنا اندازہ یہی ہے کہ کسی کو بالجہر ذکر کرتا دیکھ کر لوگ اس کے معتقد نہیں ہوتے' بلکہ بہت سے آدمی تو اس کو کم عقل یا مکار اور ریاکار سمجھتے ہیں۔ پس ایسی حالت میں جہری ذکر میں ریاکاری کا امکان فی زمانہ بہت کم ہے۔ بلکہ اپنا تجربہ تو یہ ہے کہ آجکل کے ماحول میں ذکر بالجہر اکثر ریا شکنی کا ذریعہ ہو جاتا ہے اور دفع خطرات و وساوس میں ذکر بالجہر کی تاثیر اہل تجربہ کے نزدیک بالکل مسلم ہے۔

اس سلسلہ میں اصل بات یہاں اور قابل ذکر یہ ہے کہ ذکر میں جہر اور ضرب کے جو طریقے تصوف کے بعض سلاسل میں معمول ہیں۔ فن طب اور علم النفس کی روشنی میں ان کی افادیت اور حکمت بڑی آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے یہ عاجز تو تصوف کے اکثر اشغال کے متعلق یہی کہتا ہے کہ بعض کیفیات اور تاثرات اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے یہ سب ایک طرح کی طبی اور نفسیاتی تدبیریں ہیں۔

اور اس لئے ان کو اہمیت دینا صرف یہ کہ غیر صحیح ہے بلکہ اصل مقصد کے لئے مضر بھی ہے پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ ان چیزوں میں ہر ایک کا ادراک یکساں ہی ہو۔ بلکہ بعض اکابر سے سنا کہ اس کے بہت سے بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو سلوک کی راہ میں اللہ تعالیٰ کی عنایت و توفیق سے بہت تیزی سے ترقی کرتے ہیں اور سلوک و تصوف کا جو اصل مقصد ہے وہ ان کو بفضلہ تعالیٰ نصیب ہو جاتا اور آخر تک انہیں کسی لطیفہ اور کسی مقام کا بھی ادراک اور احساس نہیں ہوتا۔

اس عاجز کو اس دور کے جن اکابر سلوک سے شرف نیاز حاصل ہوا۔ ان سب کو اس پر متفق پایا کہ خاص کر اس زمانے کے لئے یہی اجمالی سلوک زیادہ مناسب ہے اور محققین نے تصریح فرمائی ہے کہ صحابہ کرامؓ کا سلوک بھی اجمالی ہی تھا۔

ت۔ ایک صاحب نے فرمایا۔

"ہم بہت سے آدمیوں کو دیکھتے ہیں کہ برسوں خانقاہوں میں رہتے اور وہاں ذکر شغل کرنے کے باوجود ان میں وہ چیزیں پیدا نہیں ہوتیں جن کے لئے تصوف اور خانقاہیت کی ضرورت بتلائی جاتی ہے"

بلاشبہ یہ بات بڑی حد تک صحیح ہے لیکن انصاف فرمایا جائے یہ حال اب صرف خانقاہوں ہی کا نہیں ہے بلکہ ہمارے دینی مدرسوں اور دوسرے تمام دینی و اصلاحی سلسلوں کا حال بھی اس وقت یہی ہے کہ سیکڑوں میں دس بیس مشکل سے نکلتے ہیں تو کیا ان سب کو غلط اور فضول قرار دے کر ایک دم ختم کر دینا صحیح طرز عمل ہو سکتا۔ صحیح طریق کار ان حالات میں یہ ہے کہ ہر سلسلہ اور ہر ادارہ کو زیادہ مفید اور کار آمد بنانے کی ہر ممکن کوشش اور تدبیر کی جائے اور اس میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے۔ لیکن نتائج میں کمی اور نقص دیکھ کر اس کو سرے سے ختم کر دینے اور فضول قرار دینے کا فیصلہ نہ کیا جائے۔ جن ناسازگار حالات میں اور جس انتہائی درجہ کے فاسد اور سخت مادہ پرستانہ ماحول میں ہمارے ان دینی اداروں کو کام کرنا پڑ رہا ہے ان میں دس پانچ فیصدی کامیابی بھی ہرگز کامی

نہیں ہے۔

6۔ ایک صاحب نے فرمایا۔

"صوفیوں کے طرز عمل سے جو کچھ ہم نے سمجھا ہے وہ تو یہ ہے کہ تصوف دراصل "رہبانیت" اور گوشہ نشینی کا نام ہے اور اسکی تائید کرنا دراصل اسلام میں رہبانیت کو داخل کرنا ہے"

میرے نزدیک یہ بھی ان ہی باتوں میں سے ہے جو اس سلسلہ میں بے سوچے سمجھے کی جاتی ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں دراصل خود ان کے دل میں تصوف کے ایک غلط معنی بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ اپنی اسی غلط فہمی کی بناء پر صوفی صرف ان ہی لوگوں کو سمجھتے ہیں جو رہبانیت پسند اور گوشہ نشین ہیں اور پھر اپنے اسی تصور کی بنیاد پر وہ یہ کہتے ہیں کہ تصوف رہبانیت کا نام ہے اور ہر صوفی "راہب" ہی ہوتا ہے۔

اگر یہ حضرات خود اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوتے اور تصوف کے لئے رہبانیت اور گوشہ گیری کو ضروری نہ سمجھتے، تو اس دور میں بھی ایسے بہت سے بندگان خدا دیکھ سکتے تھے جو بحمد اللہ سچے صوفی بھی ہیں اور مرد میدان بھی۔ مگر بات وہی ہے جو کہ گوشہ گیر نہ ہو، یہ بے چارے اپنی کم نگاہی سے اس کو صوفی مان ہی نہیں سکتے۔ اس کا علاج تو خود اپنے علم اور تصور کی تصحیح سے ہی ہو سکتا ہے۔

7۔ مقالہ کے ابتدائی حصے میں جن بزرگ کی خدمت میں حاضری اور تصوف کے متعلق ان سے اپنی گفتگو کا اس عاجز نے ذکر کیا ہے۔ بعض حضرات کا شدید اصرار ہے کہ ان کا اسم گرامی ظاہر کیا جائے، اس لئے عرض کرتا ہوں کہ میرے وہ محسن اور مخدوم بزرگ! حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری مدظلہ ہیں

آخری بات

آخر میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ یہ ناچیز صرف اس تصوف کا قائل اور حامی ہے جس کا ذکر اس میں کیا گیا ہے اور یہی اہل حق کا تصوف ہے۔ باقی اس نام سے سینکڑوں خانقاہوں میں شرک و بدعت کا جو کاروبار ہوتا ہے، اللہ نے اپنے جس بندے کو بھی ایمانی بصیرت کا کوئی ذرہ نصیب فرمایا ہو وہ یقیناً اس سے بے زار ہو گا۔

طالب مولیٰ

عبدالواحد بھٹی

اموی خلیفہ حشام بن عبدالملک مکہ معظمہ میں حرم پاک کے اندر گھوم رہا تھا وہ ہر زائر کے چہرے کو غور سے دیکھتا اور آگے بڑھ جاتا۔ آخر ایک زائر کے سامنے کھڑا ہو گیا اس کے چہرے پر ملکوتی نور کا ہالہ بنا ہوا تھا یوں بھی ہالے میں قمر ہو تو منظور نظر ہوتا ہے۔ اموی خلیفہ بہت متاثر ہوا اور اس سے پوچھا میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں اس نے جواب دیا اللہ کے گھر میں کھڑے ہو کر کسی اور سے مانگتے ہوئے حیا آتی ہے۔ اموی خلیفہ حرم پاک سے باہر جا کر دروازے پر کھڑا ہو گیا اور انتظار کرنے لگا۔ وہ طواف سے فارغ ہو کر باہر آئے تو حشام بن عبدالملک نے اپنا سوال دہرایا آپ نے فرمایا آپ دنیا دیں گے یا دین؟ حشام نے کہا دین کہا میں تو دنیا دے سکتا ہوں۔ آپ نے مضبوط لہجے میں جواب دیا دنیا تو میں نے کبھی دنیا بنانے والے سے نہیں مانگی یہ کہہ کر آپ آگے بڑھ گئے اور حشام بن عبدالملک ان کے نقش کف پا کی شوخی کو دیکھتا رہا آپ تھے حضرت سالم بن حضرت عبداللہؓ بن خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ

خلافت، ملوکیت اور آفاقیت

(کے۔ ایم اعظم)

اسلام کا انقلاب دنیا کے عظیم ترین انقلابوں میں سے تھا مگر اس کا طریقہ کار روایتی انقلابوں جیسا نہ تھا کیونکہ اس نے قبل از انقلاب کے حکمران طبقہ کو تہہ تیغ کرنے کی بجائے اسلام میں شامل کر لیا تھا اور عام معافی کا اعلان کر دیا تھا۔ اگرچہ اکابر صحابہ نے فتح مکہ پر فرمایا تھا کہ آج بدلہ لینے کا دن ہے مگر رسول عالی مرتبت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں، آج عفو و درگزر کا دن ہے۔ اگر رسول اکرم سب دشمنان اسلام کی گردنیں اڑانے کا حکم صادر فرما دیتے اور ان کی تمام دولت بحق اسلام ضبط فرما لیتے تو وہ بالکل حق بجانب ہوتے۔ مگر حضور ﷺ نے ایسا نہ کیا بلکہ مکہ کے مشہور زمانہ تاجروں کا تجارتی اور انتظامی تجربہ، کثیر سرمایہ اور فن سپہ گری کو اسلام کی خدمت میں Mobolise کر لیا۔ بہر حال نتیجتاً اسلامی معاشرہ میں اوائل سے ہی دو طبقات موجود رہے، جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فتنہ الکبریٰ میں منتج ہوئے۔ ایک طبقہ مکہ کے زیادہ تر اموی امراء کا تھا جو اسلام کے آنے سے پہلے بھی مالدار اور طاقتور تھے اور جنہوں نے فتح مکہ پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ دوسرا طبقہ ان افراد پر مشتمل تھا، جنہوں نے شروع میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا (السابقہ فی الاسلام) اور جن کی دولت اور عزت ساری کی ساری اسلام ہی کی وجہ سے تھی۔ تاریخ اسلام پہلے طبقہ کو طلقاء اور دوسرے طبقہ کو اہل ایام کے نام سے یاد کرتی ہے۔ اگر ہم اس طبقاتی تفریق کو نظر انداز کر دیں گے تو ہم اسلامی تاریخ کے اہم واقعات کو پوری طرح سمجھنے سے قاصر رہیں گے، مثلاً" سید عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت، جنگ جمل، جنگ صفین، سانحہ کربلا، اہل بیت کی عقوبت اور اکابر صحابہ کرام" سے بدسلوکیاں۔

ہم ہندی الاصل لوگوں کی ایک خامی یہ ہے کہ اخلاقی طور پر پست ہونے کے باوجود ہم عینیت پسندی میں بہت آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ اس کی ایک تاریخی وجہ شاید یہ ہے کہ ہندومت کے اشرف اوتار اور بھگوان ہوتے تھے جب کہ اسلام میں فقط ایک نبی علیہ السلام ہی معصوم ہوتا ہے یا پھر فقہ جعفریہ کے مطابق چند گنے چنے امام" جب کہ باقی سب افراد مائل بہ عصیاں انسان ہوتے ہیں۔ یہ اسی رویہ کی وجہ سے ہے کہ ہمیں اسلامی تاریخ کے نشیب و فراز سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ جہاں تک اسلام کے مثالی دور کا تعلق ہے، تو اس دور کا تو کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ جس میں حضور اکرم ﷺ بہ نفس نفیس موجود تھے۔ حضور ﷺ کا مدنی دور دس سال کا تھا۔ اس کے بعد شیخین کا بارہ سالہ دور ہے جس میں سیدنا عمر

فاروقؓ کی شخصیت اور دبدبہ نے مسلمانوں کو راہ راست پر رکھا۔ ایک بار جب کچھ افراد نے حضرت عثمانؓ کو یاد دلایا کہ حضرت عمرؓ کے دور میں تو ایسا نہیں ہوتا تھا تو انہوں نے فرمایا ہم میں سے کون ہے جو عمر رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کر سکے۔ اس طرح رسول اکرم ﷺ اور شیخین کا 22 سالہ دور ہے یا پھر خلافت راشدہ کے 30 سال لے لیں تو کل 40 سال بنتے ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کی 1420 سالہ تاریخ صرف 22 سال کا دور یا پھر 40 سال کا دور ہے جسے مثالی کہا جا سکتا ہے۔ بہر حال اگرچہ اسلام کا مثالی دور تو دیرپا ثابت نہ ہوا، مگر دنیاوی جاہ و جلال کے میدان میں اموی اور عباسی خلافتوں نے مسلمانوں کے اقتدار کا ستارہ عروج پر پہنچا دیا۔ اموی اور عباسی سلطنتوں سے بڑی سلطنت دنیا نے کبھی نہ دیکھی تھی اور مسلمانوں کی ہفت اقلیم، خلافت عثمانیہ کی شکل میں اس صدی کے شروع تک قائم و دائم رہی۔ یہ اسلام کی ملوکیت ہی کا ثمر ہے کہ آج ہم ہندی الاصل لوگ مسلمان ہیں ورنہ شاید مثالی اسلام جزیرہ نما عرب تک ہی محدود ہو کے رہ جاتا۔ اسلام کا خوبصورت خواب سیدنا عمر فاروقؓ کی شہادت اور ملوکیت کے غلبہ کی نذر ہو کے رہ گیا۔ اسلام عالمگیر اخوت انسانی اور احترام آدمیت کا خواب آج بھی اپنی تعبیر کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ ”اسلام کی تکمیل نہیں بلکہ ایک تمنا اور آرزو ہے“ بے شک اسلام بطور ایک دین کے مکمل و کامل ہے مگر اس کا مشن ابھی پورا ہونا باقی ہے۔ ویسے بھی نبی آخر الزماں ﷺ کا مشن تو قیامت تک جاری و ساری رہے گا ہی۔ اب دیکھنا یہ باقی ہے کہ دور حاضر کے مسلمان کب اور کیسے اس خواب کو پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔

اسلام نے ایک انقلاب آفریں سبق جو انسانیت کو دیا ہے وہ ہے کہ اصل معجزہ معصومیت میں یا پیدائشی ولی ہونے میں نہیں ہوتا۔ اصل معجزہ ہوتا ہے کیسے نبی کی تربیت اور نظر کرم عہد جاہلیہ کے ایک اکھڑ سردار کو شہکار نبوت بنا دیتی ہے اور کیسے ایک ڈاکو کو ولی اللہ، آج کی جمہوریت جس کا اصل نام لوگوں کے دل موہ لینا ہونا چاہئے تھا ایسا کرنے نہیں پائی اور ہمارا نظام تعلیم و تربیت وہ افراد پیدا نہ کر سکا جن کی آرزو اور تمنا ہم میں سے ہر کوئی اپنے دل میں لئے ہوئے ہے۔

ہمارا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ ہمارے عینی مقاصد اور زمینی حقائق میں خلیج بہت ہی بڑی ہے۔ سمجھنے کی بات یہ کہ نظام خلافت تو اس دنیا میں ایک ضرور قائم ہو کے رہے گا مگر یہ وہ لوگ قائم کریں گے، جنہیں رسول عالی مرتبت ﷺ نے اپنا بھائی کہا ہے۔ ہم اس کو قائم کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ زمینی حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں تو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ہم اپنے دور ملوکیت کی اچھی اچھی باتیں مثلاً" منصفانہ حکومت (GoodGovemance) کو ہی اپنا لیں۔

اس سلسلہ میں ہمیں ہندوستان میں مسلمانوں کے آٹھ سو سالہ دور حکومت پر خصوصی غور و خوض کرنا چاہئے۔ ایک طرف تو بقول علامہ اقبال "شاید ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جس میں اسلام کی وحدت خیز قوت کا بہترین اظہار ہوا ہے" (خطبہ آلہ آباد) تو دوسری طرف مسلمان حکمران اتنے وسیع و عریض ملک میں آٹھ سو سال پر محیط ایک ایسا کثیرالنسل عقیدہ معاشرہ (Plural Society) قائم رکھنے میں کامیاب ہو گئے جس کی مثال تاریخ اسلامی میں نہیں ملتی۔ ہندوستان میں اپنی کثیرالتعداد رعایا کے ساتھ مسلمان حکمرانوں کا میل جول 'عدل و انصاف' رواداری اور مروت و شفقت پر مبنی تھا اور ہندو ان کے مداح اور قدردان تھے بلکہ ان پر فدا تھے۔ ہندو سپاہی اور سپہ سالار مسلمانوں کی طرف سے ہندو راجاؤں کے خلاف بے مثال جانفشانی اور دلیری سے لڑتے۔ محمود غزنوی سے لے کر اورنگ زیب تک مسلمان بادشاہوں کے نمایاں سپہ سالار راجپوت مہاراجے تھے۔ بقول ڈاکٹر تارا چند "یہ (مسلمان) بلند پایہ لوگ تھے" بقول پروفیسر ڈاکٹر سید محمد اکرم اکرام "جو ہندو مسلم معاشرہ و صلح و آشتی اور محبت و مروت کی اساس پر مسلمان حکمرانوں نے قائم کیا تھا اس کی دو بنیادیں تھیں۔ ایک مسلمان فاتحین کی عسکری قوت اور دوسری ان کی اخلاقی قوت۔ عسکری قوت سے وہ اپنے مخالف ماحول میں قائم رہے اور اخلاقی قوت سے انہوں نے اسلامی تہذیب و تمدن 'تصوف و مذہب اور علوم و فنون کی نشرواشاعت کی۔ ان اعلیٰ علوم و فنون نے ہندو معاشرے کو ہر اعتبار سے تبدیل کر دیا" (اقبال اور ملی تشخص 'بزم اقبال 1998ء)

ہندوستان میں مسلمانوں کے عروج کا باعث ان کا اخلاق' رواداری اور موت سے نہ ڈرنا تھا اور ان کے زوال کا باعث ان کا اخلاقی انحطاط اور دنیا سے محبت اور موت کا ڈر تھا۔ اس صورت حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمارے انگریز حکمرانوں نے بڑے اہتمام کے ساتھ سرزمین ہند میں ہندو مسلم نفرت کے بیج بو دیے یہاں تک کہ مسلمان عہد کی آٹھ سو سالہ تاریخ کو ہی مسخ کر دیا۔ اس افسوس ناک حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے 29 جولائی 1977ء کو ہندوستان کی راجیہ سبھا میں پروفیسر بی۔ این پانڈے (سابق وائس چانسلر بنارس یونیورسٹی و گورنر اوڑیسہ سٹیٹ) نے ایک پرجوش تقریر میں حکومت ہند سے اپیل کی کہ وہ ہندوستان کی تاریخ کو درست کر کے پیش کرے' تاکہ ہندوستان کی آنے والی نسلیں مستقبل سے ایک صحیح ذہنی رخ کے ساتھ نبرد آزما ہو سکیں۔ بات سمجھنے کی یہ ہے کہ پاکستان سرزمین ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کی جانشین ریاست ہے نہ کہ خلافت راشدہ کی۔ پاکستان کے اسلامی فوبیا نے عربوں کو بھی پریشان کر رکھا ہے۔ عرب زعما کا خیال ہے کہ پاکستان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اسلام 1947ء میں دریافت ہوا تھا۔ عرب کہتے ہیں اسلام ہماری زندگیوں کا ایک قدرتی حصہ ہے۔ یہ ہمارے لئے ایسے ہے جیسے کھانے میں نمک

ہمارے لئے ہر روز پاکستان کی طرح یہ اعلان کرنا ضروری نہیں کہ کھانے میں نمک بھی ہے۔ ہمارے سمجھنے کی بات ہے کہ اب تو ہمیں اپنے دین کی نسبت سے خود اعتمادی آجانی چاہئے اور ہمارا یہ خوف جاتا رہنا چاہئے کہ کوئی ہم سے اسلام چھین لے گا بلکہ اس خوف سے نکلنے کے لئے ہمیں اسلام کے آفاقی پیغام کا علمبردار بن جانا چاہئے جیسا کہ بانیان پاکستان کا مطمع نظر تھا۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارا ہدف فقط اسلامی ریاست کا قیام نہیں بلکہ اس کے ذریعہ اسلامی عینی مقاصد' سچائی' انصاف' مساوات اور انسانی فلاح کو حاصل کرنا ہے۔ بے شک ہمیں دنیا پر یہ ابھی ثابت کرنا ہے کہ ہم وہ بہترین امت ہیں جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے دنیا میں لایا گیا ہے (3:110) پس ہمارا عقیدہ کٹر لفظی بنیاد پر حتی یا بے لچک تقلید نہیں بلکہ تخلیقی جدوجہد کا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ سب سے پہلے ہم اپنے نظام فکر کو صحیح لائنوں میں استوار کریں۔ اس سلسلے میں جس شے کا ہمیں سب سے پہلے فیصلہ کرنا ہو گا وہ یہ ہے کہ آیا ہمارا مطمع نظر فقط اسلام ہے یا فقط مسلمان یا پھر دونوں۔ پہلے اختیار میں مسلمانوں کو اسلام پر قربان کر دیا جائے جیسا کہ ہمارے ممدوح ڈاکٹر اسرار احمد' امیر تنظیم اسلامی نفاذ اسلام کی آخری صورت یہ بتلاتے ہیں کہ "مسلمانان پاکستان کروڑوں کی تعداد میں ہندوؤں کے ہاتھوں قتل ہوں۔ اور پھر ہندو اسلام لے آئیں۔ جیسے تاریخ میں ایک موقع پر تاتاریوں کے ہاتھوں کروڑوں مسلمان قتل ہوئے۔ لیکن پھر اسلام نے تاتاریوں کو فتح کر لیا۔ اسی طرح اب بھی اسلام ہندو کو فتح کر سکتا ہے" (ماہنامہ "میثاق" اپریل 1996ء)

دوسرے اختیار میں مسلمانوں کی خاطر اسلام کو پس پشت ڈال دیا جائے' جیسے کہ ہمارے مغرب زدہ' فرنگی گزیدہ آزاد خیال دانشور چاہتے ہیں۔ بے شک تیسرا اختیار ہی ہمارا مطمع نظر ہونا چاہئے۔ جس کے تحت اسلامی نظام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا ضامن ہو گا اور مسلمان اسلام کے آفاقی پیغام کے علمبردار' پاکستانی مسلمانوں کا ایک بڑا تضاد یہ ہے کہ چاہتے تو وہ دنیاوی سرفرازی ہیں مگر جھنڈا اللہ ہی کا اٹھانا چاہتے ہیں اور ہماری یہ مجہول کوشش اللہ تعالی اور مغرب کو ہمارا دشمن بنا دیتی ہے۔ حیرت ہے کہ ہمارے معتبر دینی زعما جو عوام کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے نسخے بتاتے ہیں' بذات خود اس فضیلت سے بہرہ مند نہیں۔

اسلام کا بنیادی تصور صحیح سمت اور درست جہت کا تعین ہے کیونکہ بنیادی دینی تصورات کے رخ میں ذرا سا فرق بالآخر تمام کی تمام دینی نظام فکر کو درہم برہم کر دیتا ہے۔ شاید اس خطرے کے پیش نظر اللہ سبحانہ تعالی نے باوجود اس کے کہ وہ ہر رخ پر موجود ہے' مسلمانوں کے لئے عبادات اور فکر کا ایک ہی رخ

متعین کیا ہے' جس کی کرہ ارض پر علامت کعبہ مکرمہ ہے' جو تمام مسلمان عالم کا قبلہ ہے۔ یہ رخ محض ایک رسم کے طور پر ہی متعین نہیں کیا گیا' بلکہ اس کا ایک گہرا روحانی مفہوم ہے۔

ہر مسلمان کو قرآن حکیم کے کلی پیغام کو سمجھتے ہوئے زندگی کے ہر شعبہ' اخلاق' تمدن' معاشرت' معیشت اور سیاست میں ایک مخصوص صالح انداز کو اپنانا چاہئے اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک صالح انسان کا طرز عمل اللہ تعالیٰ اور بندوں کے ساتھ کیسا ہوتا ہے۔ اگر ہماری روحانی سمت ہی درست نہ ہوگی تو پھر ہمارے سارے کے سارے اعمال اور دینی مساعی رائیگاں جائیں گی اور دنیا کا ہر ضابطہ اور قانون بیکار ہو کے رہ جائے گا۔ قبلہ کی درستگی کا مطلب یہ ہے کہ ہماری سوچ نہ صرف محدود دینی اور مذہبی امور میں ہی درست اور صحیح ہو بلکہ بڑے بڑے معاشی' معاشرتی اور سیاسی مسائل میں بھی صحیح اور وسیع ہو۔

مگر اس کے برعکس ہوا یہ کہ قرآن مجید کی فقط چند ایک آیات پر ہی انحصار کر کے اپنا الوسیدھا کیا گیا اور مختلف دینی زعما نے مختلف عہدوں میں قرآن مجید ہی سے سرمایہ داری' اشتراکیت' زمینداری' جاگیرداری' ملائیت اور عسکریت کا جواز ڈھونڈ نکالا بلکہ خود پرستی کا یہ عالم رہا کہ اپنے اپنے سیاسی لائحہ عمل کو بھی قرآن ہی سے ماخوذ کیا گیا۔

اسلام کے نام پر اس سیاسی مفاد پرستی نے اسلام کو بالخصوص گزرے ہوئے سامراجی دور میں ایک عضو معطل بنا کے رکھ دیا۔ آج بھی فہم قرآن کے اس جزوی میلان اور دینی اکابرین کے ذاتی مفادات نے اسلام کو سیاسی اور مسلکی تنازعات میں گھیر رکھا ہے اور اس کی ہمہ گیر قوت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اس کے باوجود اپنے اپنے ناقص فہم قرآن اور اسلام کی مسخ شدہ تصویر پر ان دینی امراء کو زعم یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ ان کا ہمہ وقت حامی و ناصر ہو گا۔ حالانکہ ایک عرصہ دراز سے اللہ تعالیٰ نے ان پر خواری مسلط کر رکھی ہے گو وہ اس سے بے خبر ہیں' یہی دینی اکابرین گر چاہیں تو اللہ جل جلالہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ کر اور قرآن کی بنیادی تصورات' توحید' تقویٰ' عدل و احسان' مساوات' میانہ روی' رواداری اور باہمی مشاورت کو اپنا کر کامیاب و فتح یاب ہو سکتے ہیں۔

اسلام کا امتیازی نشان اس کا توحید پر خصوصی زور ہے۔ بے شک توحید ہی باری تعالیٰ کا وہ ازلی اور فطری دین اسلام ہے جو کہ اس کا ہر رسول دنیا میں لے کر آیا ہے۔ توحید ہی وہ بنیادی تصور ہے جس سے تھوڑا سا انحراف بھی' ہر قسم کی معاشرتی برائیوں کو جنم دیتا ہے۔ اس مرکز تصور سے ذرا سی روگردانی ہی طاغوتی طاقتوں کو سر اٹھانے کا موقعہ دیتی ہے۔ جن کے زیر اثر نہ تو مہذب معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی صحیح اطاعت ہو سکتی ہے۔

بقول علامہ اقبالؒ

"اسلام کو دین فطرت کے طور پر Realise کرنے کا نام تصوف ہے اور ایک اخلاص مند مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس کیفیت کو اپنے اندر پیدا کرے۔ اس کیفیت کو میں نے (Emancipation) سے تعبیر کیا ہے" (انوار اقبال)

ہم شریعت اور روحانیت میں درمیانہ راستہ اختیار کرنے کی بجائے متشدد رویہ اپنائے رہتے ہیں یا تو شرک کی حدود کو چھونے لگتے ہیں یا پھر روحانیت کے لئے بے ادبی کا رویہ اختیار کر لیتے ہیں' حالانکہ ایسا کرنے کا کوئی جواز ہمارے پاس نہیں ہوتا۔ ہمارے کچھ علماء تصوف کے اعلیٰ اخلاقی معیار سے خائف ہو کر بھی اس مخالفت کا جواز ڈھونڈ نکالتے ہیں۔

دراصل ہمارے علماء کی خود پرستانہ اور ذاتی مفادات کی طرف مائل تفسیریں اور فقہی ترجیہات موجودہ دور کے بڑے بت ہیں۔ مختلف دینی جماعتوں اور تحریکوں کا یہ رویہ امت مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہا ہے اور اصل میں یہی فساد کی جڑ ہے۔ ہر جماعت صرف اپنے آپ کو دین کا سچا محافظ خیال کرتی ہے اور ان جماعتوں کے کارکنوں کا خودستائی و پارسائی کا مغرورانہ رویہ مسلم عوام کو اپنے دین سے دور کر رہا ہے۔ شاید ہمارے ایسے ہی زعماء کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے ان کو گمراہ کرنے کے لئے میری یہ کتاب ہی کافی ہے" (3:7) ان دینی زعماء کا ایک اور المیہ یہ ہے کہ وہ جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں اور عوام سے جھوٹے وعدے فرما کر اپنے آپ کو اور اپنے دین کو بدنام کرتے ہیں۔ اسلامی نظام کے قیام کے سلسلے میں وہ اہداف اور اسباب میں تمیز کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اور ان کو اس امر کا بھی شعور نہیں کہ باری تعالیٰ پر ایک پر جوش ایمان کی وحدت سے اسباب پگھل کر اللہ والوں کے قدموں میں آ گرتے ہیں۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں' کارکشا کار ساز

(اقبالؒ)

مفکرِ اسلام کا مسلمانوں سے خطاب

(عبدالرشید ساہی)

تو ابھی رہگذر میں ہے قید مقام سے گزر
مصر و حجاز سے گذر پارس و شام سے گذر

اس شعر میں علامہ اقبال نے اپنے محبوب پیغام کی تبلیغ کی ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان کی قومیت کی بنیاد، وطن نہیں ہے بلکہ دین اسلام ہے چند شعر ملاحظہ ہوں

نہ میں عجمی، نہ ہندی، نہ عراقی و حجازی
کہ خودی سے سیکھی میں نے دو جہاں سے بے نیازی
بتان رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ افغانی رہے باقی نہ ایرانی نہ تو رانی

شعر کا مطلب یہ ہے کہ اے مسلمان تو نہ مصری ہے نہ حجازی ہے نہ ایرانی ہے اور نہ ہی شامی ہے تو صرف مسلمان ہے اور ساری دنیا تیرا وطن ہے

تیرا خدا! رب العالمین ہے یعنی تمام جہانوں کا رب ہے

تیرا رسول ﷺ! رحمت اللعالمین ہے یعنی تمام جہانوں کے لئے رحمت ہے۔

تیرا قرآن! ذکر العالمین ہے یعنی سارے جہانوں کے لئے ہدایت ہے

تو اے مسلمان تو کس طرح اپنے آپ کو کسی خاص خطہ میں محدود کر سکتا ہے تیرا خدا آفاقی ہے تیرا رسول ﷺ آفاقی ہے، تیرا دستور آفاقی ہے تو، تو کس طرح مقامی ہو سکتا ہے۔

شعر نمبر 2

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر، بادہ و جام سے گزر

علامہ اقبال فرماتے ہیں اے مسلمان اگر تو جنت اور اس کی نعمتوں کے حصول کی غرض سے اعمال حسنہ بجالائے گا تو تجھے بیشک یہ دونوں چیزیں مل جائیں گی لیکن اگر تو اپنے زاویہ نگاہ کو بلند

کرے اور اپنے عمل کو اللہ کے لئے خالص کرے تو اس کی جزا جنت سے برتر ہے یعنی تو اللہ کو راضی کرے گا اور اس کی رضا جنت کی نعمتوں سے بدرجہا بہتر ہے

شعر نمبر۳

گرچہ ہے دلکشا بہت حسن فرنگ کی بہار
طائرک بلند بال دانہ و دام سے گزر

علامہ اقبال فرماتے ہیں اے مسلمان فرنگی تہذیب' تمدن' معاشرت' سوسائٹی اور طرز زندگی بہت خوبصورت معلوم ہوتی ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ ساری خوبصورتی ایک جال ہے جس میں پھنس کر انسان بلند روحانی مقاصد حیات سے غافل ہو جاتا ہے اور وہ ساری آسائش اور دنیاوی عیش و عشرت ہی کو مقصود زندگی سمجھ لیتا ہے۔ اس لئے تو اس جال میں پھنس نہ جانا بلکہ دنیاوی زندگی کو خدائی احکامات کے مطابق بسر کر کے اپنی آخرت کو بہتر بنا لینا اسی میں حقیقی کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔ دنیاوی زندگی محدود' فانی اور ختم ہو جانے والی ہے مگر آخرت کی زندگی لافانی اور ہمیشہ رہنے والی ہے اس لئے فانی کو لافانی پر ترجیح دینا بہت بڑی حماقت اور نادانی ہے چند لمحوں کی لذت کی خاطر ہمیشہ کے لئے ذلت اور رسوائی خرید لینا کہاں کی دانائی ہے۔

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

شعر نمبر۴

کوہ شگاف تیری ضرب' تجھ سے کشاد شرق غرب
تیغ ہلال کی طرح عیش نیام سے گذر

علامہ اقبال فرماتے ہیں اے مسلمان اگر تو اپنی حقیقت سے آگاہ ہو جائے تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ تیری ضرب خارا شگاف ہے یعنی تو ساری دنیا کو فتح کر سکتا ہے اور تیرے پاس ایسا دستور حیات ہے کہ تو ساری دنیا کے لئے رحمت بن سکتا ہے پس تو گوشہ عافیت سے نکل' سیر گاہوں اور خانقاہوں سے نکل کر اور ہلال کی طرح کامیابی کے آسمان پر چمک یہی تیرا مقصد حیات ہے۔ علامہ فرماتے ہیں

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

دراصل خانقاہی نظام نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا ہے دنیا سے بالکل الگ تھلگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ کر ذکر الٰہی میں مشغول رہنا اسلام کا طریقہ نہیں ہے بلکہ اسلام تو جدوجہد کا درس دیتا ہے اور انسان کو تسخیر کائنات کی دعوت دیتا ہے۔ اسلام کا پیام قدسی تن مردہ میں نئی روح پھونک دیتا ہے انسان کو جہد مسلسل کا درس دیتا ہے

جباری و قہاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

شعر نمبر5

تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سرور
ایسی نماز سے گزر ایسے امام سے گزر

علامہ اقبال فرماتے ہیں بڑے افسوس کا مقام ہے کہ تیرے دینی پیشوا اور سیاسی رہنما دونوں بے حضور ہیں یعنی ضعیف الاعتقاد ہیں اگر ان کے اندر ایمان کا رنگ ہوتا تو تجھے بھی اسلامی زندگی بسر کرنے میں لذت محسوس ہوتی پس تو غافل مت بیٹھ بلکہ اس بات کی کوشش کر کہ تجھے نماز میں لذت حاصل ہو سکے اور یہ بات موقوف ہے اس بات پر کہ تیرا امام خدا رسیدہ ہو۔ واضح ہو کہ جب تک انسان کا تعلق اللہ کے ساتھ درست نہ ہو نہ اسے نماز میں لذت حاصل ہو سکتی ہے اور نہ وہ خالصتاً" اسلامی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ نماز میں لذت تعلق باللہ کی درستی پر منحصر ہے اور ایک شخص دوسرے کا تعلق باللہ اس وقت درست کر سکتا ہے جب اس نے پہلے اپنا تعلق باللہ درست کر لیا ہو یہ بات وہی ہے جسے اقبال نے ہر کتاب میں مختلف طریقوں سے پیش کی ہے کہ چراغ سے چراغ جل سکتا ہے یعنی محبت مرشد کے بغیر نہ نماز میں لطف آ سکتا ہے نہ ایمان کی تکمیل ہو سکتی ہے، نہ جہاد کا ولولہ دل میں پیدا ہو سکتا ہے، مثلاً" اگر مولوی محمد اسماعیل دہلویؒ، مولانا سید احمد صاحب بریلویؒ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے تو شہادت کا مرتبہ حاصل نہ ہوتا ساری عمر جامع مسجد دہلی کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر وعظ کرتے رہتے سلطان العارفین فرماتے ہیں

مرشد وانگ سنیارے ہووے جیہڑا گھت کٹھالی گالے ہو
پا کٹھالی باہر کڈھے، بندے گھڑے یا والے ہو

آئیں جہاد کی تیاری کریں

(ڈاکٹر محمد ذکاء اللہ)

کارگل کے محاذ سے عسکری پسپائی اختیار کرنے پر پورے ملک میں احتجاجی طوفان برپا ہے۔ اس احتجاج میں دینی قیادت کی آواز سب سے نمایاں ہے، جو بلاشبہ اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ دینی قیادت کو کشمیر ہی نہیں کسی بھی محاذ پر امت مسلمہ کی عسکری پسپائی گوارا نہیں۔ جذبات بہت گرم ہیں۔ عوام پکار رہے ہیں کہ پاکستان کی سیاسی قیادت نے قوم سے بے وفائی کی ہے۔ پوری قوم رنجیدہ ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ مکمل شرح صدر سے سمجھنے کے باوجود کہ قوم کی سیاسی و عسکری قیادت نے جو مشکل فیصلہ کیا ہے یہی پاکستان کے لئے بہتر تھا، ڈیپریشن کے باعث کئی دن صحیح طرح کام نہیں کر سکا۔

بات ڈیپریشن کی ہوئی ہے زندگی کے جو ماہ و سال گزرے ہیں وہ سب ہی ڈیپریشن سے عبارت ہیں۔ 65 کی جنگ اور معاہدہ تاشقند، بیت المقدس پر یہودیوں کا قبضہ، سقوط ڈھاکہ، 73 کی عرب اسرائیل جنگ اور اس کے نتائج، طویل افغان جہاد اور اس کا المناک انجام، خلیج کی جنگ اور اس کے نتائج، جو اس قدر بھیانک ہیں کہ سن کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ چیچنیا اور بوسینا میں مسلمانوں کا قتل عام اور پھر جو کچھ کوسوو میں ہوا۔ کیا کوئی لمحہ ایسا بھی ہے جو باعث اطمینان ہو، نوید سحر ہو۔ شاید ایسا نہیں۔ ہاں! المیہ کے بعد جو بات کانوں میں پڑتی ہے، اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔ مسلمان حکمرانوں کی بے وفائی، بے حسی، بزدلی اور غداری نے یہ دن دکھائے ہیں، ورنہ فتح مبین تو ہمارا مقدر تھی۔

ہماری پسپائی اور رسوائی کی داستان یہیں ختم تو نہیں ہو جاتی۔ تاریخ کے صفحات پلٹتے جایئے۔ اسرائیل کا قیام، جنگ عظیم اول میں خلافت عثمانیہ کی شکست اور خلافت کا خاتمہ، جنگ بلقان المناک داستان ہے۔ ایک طرف خلافت عثمانہ کو روس، سربیا، جرمنی اور برطانیہ کے ہاتھوں پے در پے شکستوں کا سلسلہ شروع ہوا، دوسری طرف برصغیر پاک و ہند میں انگریز غالب آنے لگے۔ بالآخر 1857ء میں سلطنت مغلیہ کا رسمی خاتمہ بھی ہو گیا۔

بلاشبہ امت مسلمہ کی تاریخ میں یہ ہمہ گیر اور طویل شکستوں کا پہلا سلسلہ ہے۔ اس سے قبل اگر بغداد تاتاریوں کے ہاتھوں تباہ ہو تو اندلس مسلمانوں کی عظمت اور سطوت کا نشان بن کر جگمگاتا رہا۔ پھر زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ تاتاری خود اسلام کے ہاتھوں مغلوب ہو گئے اور امت مسلمہ کا عسکری بازو بنے۔ لیکن امت مسلمہ کی پسپائی کا موجودہ مرحلہ بہت طویل ہو گیا ہے اور اس کے اختتام کا کوئی سرا بھی

نظر نہیں آتا۔

اس دوران تواتر سے محراب و منبر سے صدائیں آئی ہیں کہ امت مسلمہ نے جہاد فراموش کر دیا ہے' ہم زندگی سے پیار کرتے ہیں اور موت سے خوفزدہ ہیں' اس لئے اللہ تعالیٰ نے ذلت اور شکست ہم پر مسلط کر دی ہے۔ اس عرصے میں مختلف جہادی تحریکیں اٹھیں۔ سید احمد شہیدؒ' امام شاملؒ' شمالی افریقہ کی مختلف تحریکیں اور بیسویں صدی میں افغانستان کا طویل جہاد اور امت مسلمہ پر اس کے اثرات' دنیا کے کونے کونے سے مسلمان نوجوان نکلے' مالی منفعت کی امید سے نہیں' اپنی جمع پونجی بھی ساتھ لے کر۔ صرف مسلم ممالک ہی سے نہیں' یورپ اور امریکہ میں رہائش پذیر نوجوان بھی۔ لاکھوں کی تعداد میں' افغانستان میں' بوسینا میں' چیچنیا میں' باطل سے ٹکرا گئے۔ جنہوں نے اپنی جان کی امانت میدان جنگ میں اللہ کے سپرد کی اور شہادت کا اعزاز حاصل کیا۔ ان کی تعداد لاکھوں میں نہیں تو لاکھ سے کم بھی نہیں۔ جو شہادت کا رتبہ حاصل کرنے سے محروم رہے۔ اندھیری رات کے مسافر بن گئے۔ کیا آپ نے ان کا اطمینان اور حوصلہ دیکھا ہے؟! اگر اب بھی کسی منبر سے یہ صدا آئے کہ امت مسلمہ نے جہاد فراموش کر دیا ہے تو اس بزرگ کی خدمت میں یہی عرض ہے کہ اللہ آپ کو ہدایت دے۔

امت مسلمہ کے اسباب زوال پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ لکھنے والوں میں بڑے بڑے نام آتے ہیں۔ بہت کچھ میں نے پڑھا ہے۔ مجھے اس بات سے انکار نہیں کہ امت مسلمہ کی تعلیم و تربیت اور رجوع الی اللہ اشد ضروری ہے۔ دعوت و تبلیغ کا کام ہونا چاہئے۔ اس سے کہیں زیادہ ہمہ گیر ہونا چاہئے۔ جو بالخصوص اس صدی میں کیا گیا ہے۔ تاہم میں اس پہلو پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں جو انیسویں اور بیسویں صدی کی اسلامی تحریکوں نے نظرانداز کیا ہے۔

سترہویں اور اٹھارویں صدی میں یورپ میں نیچرل فلاسفی کے نام سے ریاضی' طبیعیات' کیمیا اور بیالوجی و طب کا مطالعہ مقبول ہونے لگا۔ ان علوم کو پڑھنے اور پڑھانے کے لئے تعلیمی اداروں کا نیا سلسلہ قائم ہونے کا آغاز ہوا۔ مختلف یورپی ممالک میں' بارود' جو بہرحال پہلے ہی مستعمل تھا اور ترک اور مغل افواج کے زیر استعمال بھی تھا کو اندازوں اور باپ دادا سے منتقل ہونے والے موروثی علم کی بجائے تجربات اور ریاضی کے ذریعے' اجزا کے درست استعمال سے بنانے کی کوشش کی گئی۔ اسی طرح طبیعات اور ریاضی نے بحری جہازوں کے ڈیزائن بہتر بنانے میں مدد دی۔ دوربین ایجاد ہوئی۔ جس نے دشمن کی افواج اور جہازوں کو فاصلے سے' لیکن کہیں زیادہ واضح' دیکھا جانا ممکن بنا دیا' طبیعات اور ریاضی کا مطالعہ ہی 1772ء میں بھاپ کے انجن کی ایجاد کا باعث بنا۔ جلد ہی یہ انجن بحری جہازوں میں لگا دیا گیا۔ یوں بحری سفر

محض ہواؤں کا مرہون منت نہ رہا۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں عثمانی افواج کو ویانا کے محاصرے میں اہل یورپ کے ہاتھوں پہلی فیصلہ کن شکست ہوئی۔ انیسویں صدی میں عثمانی افواج کو اس بات کا احساس ہو گیا کہ ان کے اپنے بنائے ہوئے ہتھیار' توپیں' بحری جہاز وغیرہ یورپی افواج کے مقابلے میں موثر نہیں ہیں۔ ترک حکمرانوں نے سویڈن سے توپیں اور اٹلی سے بحری جہاز خریدنے کا آغاز کیا۔ ان ہتھیاروں کو خریدنے سے مسلمانوں کی دولت تو تیزی سے اہل یورپ کو منتقل ہوئی۔ لیکن سلطنت عثمانیہ کی عسکری برتری بحال نہ ہو سکی۔ انیسویں صدی میں نیچرل فلاسفی کی تعلیم ترک تعلیمی اداروں میں رائج کرنے کی ایک ہمہ گیر کوشش کی گئی جو بری طرح ناکام ہوئی۔ یہ ایک درد بھری داستان ہے' یہاں ہم اس کا تذکرہ نہیں کرنا چاہتے۔ انیسویں صدی کا صنعتی انقلاب' ریل گاڑی' آب دوزیں' وائرلیس اور ٹیلی فون' ڈیزل اور اب سیٹلائٹ اور کمپیوٹر۔۔۔۔۔ غرض یہ کہ ایجادات کا ایک نیا سلسلہ ہے اور ہر ایجاد اہل مغرب کی حربی صلاحیت میں اضافہ کا باعث ہے۔

روس میں اشتراکی انقلاب اور دوسری جنگ عظیم کے بعد کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ اہل مغرب نے اپنے مقبوضات اور کالونیوں کے براہ راست انتظام سے چھٹکارا پانے ہی میں عافیت سمجھی۔ یوں نیم خود مختار' تیسری دنیا کے ممالک کا ایک سلسلہ وجود میں آیا جو بالواسطہ طور پر مغربی ممالک کے کنٹرول میں ہیں۔ اسلامی ممالک بھی مغربی کنٹرول سے مستثنی نہیں۔

یہ آزادی بھی خوب ہے ۔ ہم بڑے تزک و احتشام سے یوم آزادی مناتے ہیں۔ ہمارے مختلف حکمرانوں نے حقیقی آزادی کی طرف بڑھنے کی بارہا کوششیں کیں' لیکن تاحال یہ تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ ناکام کیوں نہ ہوتیں؟ ہمارے تمام وسائل اہل مغرب کے کنٹرول میں ہیں۔ تیل' معدنیات اور دیگر قدرتی وسائل ہماری زمین میں دفن ہیں' لیکن ہم انہیں نکالنا نہیں جانتے۔ ہماری افواج اہل مغرب سے خریدے گئے اسلحہ کے استعمال پر مجبور ہیں۔ ان حالات میں ہم آزادی کیونکر حاصل کر سکتے ہیں۔ جب مجبور ہو کر ہمارے حکمران مغرب کی طرف دیکھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں پاتے تو ہم انہیں بزدلی' امت مسلمہ سے بے وفائی اور استعمار کا ایجنٹ ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔

پاکستان اور امت مسلمہ کا دفاع مضبوط بنانے کے لئے اپنے تمام تر وسائل بروئے کار لانے سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہمارے دفاعی بجٹ کا ایک بڑا حصہ دفاعی سازو سامان کی خریداری پر صرف ہوتا ہے۔ ہم اپنی قومی دولت بے دردی سے اہل مغرب کے حوالے کر رہے ہیں اور اس کے بدلے بالعموم متروک اور استعمال شدہ اسلحہ اور بالخصوص پرانے اور بوسیدہ بحری جہاز' آبدوزیں' ٹینک وغیرہ فروخت کر

دیئے جاتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قیمتی ادائیگی کے باوجود ہمیں یہ اسلحہ دینے سے انکار کر دیا جاتا ہے یا ان ہتھیاروں کے فالتو پرزہ جات کی سپلائی روک کر ہمارے اربوں روپے کے ہتھیار ناکام بنا دیئے جاتے ہیں۔ یہ مانگے تانگے کے ہتھیار استعمار کے ہاتھوں ہماری آزادی کی ضمانت کو کجا بھارت جیسے دشمن کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لئے بھی ناکافی ہیں۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ امت مسلمہ کی دینی و جہادی قیادت مسلم معاشرے کو سائنس و ٹیکنالوجی کی مستحکم بنیاد فراہم کرنے، صنعتی ڈھانچہ کھڑا کرنے اور دفاع کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے اپنا کردار ادا کرے۔

دفاع کو مضبوط کرنے کے لئے دفاعی بجٹ میں نہیں، سائنس و ٹیکنالوجی کے بجٹ میں اضافے کی ضرورت ہے۔ بعض اوقات ہمارے بھولے دوست کہتے ہیں کہ پاکستان نے ایٹم بم بنالیا ہے، بلاشبہ ایٹم بم ایک تباہ کن ہتھیار ہے۔ لیکن یہ نہ بھولیں کہ یہ نصف صدی سے زائد پرانی ٹیکنالوجی ہے۔ اگر آپ عسکری برتری چاہتے ہیں تو آپ کو ہر روز نئی وجود میں آنے والی ٹیکنالوجی حاصل ہی نہیں کرنی ہوگی، استعمار سے بہتر ... وجود میں لانی ہوگی۔ جہاں تک ہماری لیبارٹریوں میں کام کرنے والے سائنس دانوں اور انجینئروں کی تعداد کا تعلق ہے، صرف اتنا عرض ہے کہ اسرائیل جیسے چھوٹے ملک میں ہمارے مقابلے میں تقریباً تیس گنا زیادہ سائنس دان اور انجینئر ریسرچ اور ڈویلپمنٹ سے وابستہ ہیں۔

غلامی اور ذلت کی دو صدیاں گزر گئیں تیسری صدی کا آغاز ہونے لگا ہے ان دو صدیوں میں مختلف جہادی تنظیمیں بنیں۔ تحریکیں اٹھیں۔ ان کے قائدین امت مسلمہ کو رنج و الم اور مایوسیوں میں اضافے کے سوا کچھ نہ دے سکے۔ ہر ناکامی پر اسلامی تحریکوں کے محترم قائدین نے اغیار کی سازشوں اور اپنوں کی بے وفائیوں کا رونا رویا۔ یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا۔ صدیاں بیتتی رہیں گی۔ استعمار بدل جائیں گی، غلام وہیں رہیں گے (خدانخواستہ) اس لئے کہ ہم نے نہ بدلنے کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔

ان اللہ یغیر مابقوم حتیٰ یغیروا مابانفسہم

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

یہ سوال کیا جاتا ہے کہ معاشرے کو سائنس و ٹیکنالوجی کی بنیاد کیونکر فراہم کی جائے۔ کام نہ اتنا مختصر اور سادہ ہے کہ اس سوال کا جواب ایک مضمون میں فراہم کیا جا سکے اور نہ چند سال میں یہ ممکن ہے۔ اگر منزل کا تعین ہو جائے تو راہیں با آسانی متعین کی جا سکتی ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے صدیاں درکار

نہیں۔ عزم صمیم سے مسلسل محنت کی جائے تو دو سے تین دہائیوں میں یہ مقصد یقیناً حاصل کیا جا سکے گا۔

آج اسلامی دنیا کے مختلف علاقوں میں چھوٹی اور بڑی جہادی تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ ان کی تعداد سینکڑوں نہیں تو سو سے کم بھی نہیں ہوگی۔ جذبہ جہاد سے سرشار نوجوان اپنے عزیز و اقارب سے دور، اپنی جمع شدہ پونجی زاد سفر لئے، آرام و آسائش کی زندگی ترک کر کے، دور ویرانوں میں ٹریننگ کیمپ لگائے ہوئے ہیں۔ جس مقصد نے انہیں یہ سب اختیار کرنے پر آمادہ کیا ہے وہ صرف اور صرف اللہ کی رضا کا حصول ہے۔ ان کے خلوص پر شبہ نہیں لیکن ان سے یہ عرض کرنا ہے کہ ٹریننگ کیمپ ویرانوں میں نہیں شہروں اور بستیوں میں لگائیے۔ وہ علم اور ٹیکنالوجی سکھائیے جسے بروئے کار لاتے ہوئے امت مسلمہ کے مستقبل کی امید، سیٹلائٹ ہی نہیں، دشمن کے سیٹلائٹ تباہ کرنے والی سپر گن بنا سکیں۔

کہا جا سکتا ہے کہ یہ کام حکومتی سطح اور وسائل کو استعمال کر کے ہی کیا جا سکتا ہے۔ بلاشبہ اس مقصد کے لئے بہت وسائل بھی چاہئیں اور بڑے پیمانے پر فراہم کئے جانے کی ضرورت ہے۔ وسائل تو جہاد کے لئے بھی چاہیں۔ جنہوں نے اللہ کے بھروسے پر بے سروسامانی سے جہاد کا آغاز کیا، اللہ کی مدد اور اپنی ہمت سے وسائل پیدا کئے۔ حکومتی سطح پر سائنس اور ٹیکنالوجی کے لئے بہت کچھ کیا جا رہا ہے۔ تاہم یہ حکومتی مشینری جذبے سے عاری ہے اور اس کے نتیجہ میں نتائج بھی اتنے بہتر نہیں۔ وہ تنظیمیں، تحریکیں وہ نوجوان جو اللہ کی زمین پر اللہ کے قانون کو سربلند کرنا چاہتے ہیں جو کشمیر کو بھارت سے آزاد کرانا چاہتے ہیں جو بیت المقدس کو یہود سے آزاد کرانا چاہتے ہیں جو بلاد اسلامیہ سے استعماری افواج کا اخراج چاہتے ہیں، جو چاہتے ہیں کہ امت مسلمہ استعمار کے پنجوں سے مکمل آزاد ہو۔ آزادی و خود مختاری حاصل کرے، وہ اپنے مشنری عزم سے امت مسلمہ کو سائنس و ٹیکنالوجی کی بنیاد فراہم کرنے کا کام محض چند عشروں میں مکمل کر سکتے ہیں۔ صرف اس سمت توجہ کی دیر ہے۔

آئیں! جہاد کی تیاری کریں۔ امت مسلمہ کو سائنس و ٹیکنالوجی کی مستحکم بنیاد فراہم کریں۔

(بشکریہ! ماہنامہ ہمقدم)

نومسلم کا تعارف

پروفیسر صوفی محبوب الٰہی (پاکستان)

(ڈاکٹر عبدالغنی فاروق)

عالم دین، معلم، خطیب اور مصنف پروفیسر صوفی محبوب الٰہی (سابق سردار سنت سنگھ) ضلع گوجرانوالہ کے ایک مقتدر سکھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم اے (تاریخ) کے طالب علم تھے جب نومبر 1916ء میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور نوع بہ نوع آزمائشوں کے باوجود نہ صرف اس پر قائم رہے بلکہ پوری زندگی اس کی تبلیغ و اشاعت کے لئے وقف کر دی۔ قرآن اور نبی اکرم ﷺ سے انہیں غایت درجہ کا عشق تھا۔ 7 نومبر 1974ء کو گوجرانوالہ میں انتقال فرمایا۔ ذیل کی تحریر جناب ارشد میر ایڈووکیٹ گوجرانوالہ کے اس مضمون کی تلخیص اور متعلقہ حصول پر مبنی ہے جو موصوف نے صوفی صاحب مرحوم کے بارے میں رقم فرمایا۔ اس کے لئے ارشد میر صاحب کا بے حد ممنون ہوں۔

(مرتب)

صوفی محبوب الٰہی 17 اکتوبر 1894ء کو ضلع گوجرانوالہ کے معروف قصبہ واہنڈو میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق ایک باعزت سکھ گھرانے سے تھا۔ ان کے دادا گوبند داس کا شمار پنجاب کے روٴساء اور نامور ساہوکاروں میں ہوتا تھا۔ والد گنپت رائے پہلوانی اور شہسواری میں اپنی مثال آپ تھے، مگر ان کا انتقال صوفی صاحب کی پیدائش سے دس دن پہلے ہو گیا اور موصوف پیدائش سے ہی یتیم ہو گئے تاہم دادا نے ان کی پرورش کی اور تربیت بڑے ناز و نعم سے کی اور پوتے کو یتیمی کا بالکل احساس نہ ہونے دیا۔

ابتدائی تعلیم قصبے سے حاصل کرنے کے بعد 1912ء میں میٹرک خالصہ ہائی اسکول گوجرانوالہ سے امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے مہندرا کالج پٹیالہ میں داخلہ لے لیا۔ وہاں سے 1914ء میں ایف اے اور 1916ء میں بی اے کیا۔ بی اے میں کالج میں اول آئے اور نارتھ بروک گولڈ میڈل حاصل کیا۔ دوران تعلیم انہیں انگریزی ادب اور تاریخ سے خاص دلچسپی تھی۔ تاریخ سے گہری وابستگی ہی کا نتیجہ تھا کہ ایک مرتبہ انہوں نے کالج کی ایک تقریب میں پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایک پر اثر اور بھرپور تقریر کر ڈالی۔ دراصل اسلام اور مسلمانوں سے ان کے قرب کا سبب واہنڈو کے حق شناس بزرگ پیر جلال الدین بنے، جن سے صوفی صاحب بہت متاثر ہوئے اور اکثر ان کے پاس جا کر بیٹھتے حتیٰ کہ ان سے

نقشبندی انداز میں ذکر کرنے کا طریقہ بھی سیکھ لیا' اس وقت صوفی صاحب ابھی کالج ہی میں پڑھتے تھے۔

اسی زمانے میں اتفاق یوں ہوا کہ گوجرانوالہ کے ایک صاحب قاضی عالم دین نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات اردو میں ترجمہ کر کے شائع کر دیئے۔ صوفی صاحب نے قاضی صاحب موصوف سے کتاب عاریتاً طلب کی اور بعد میں یہی کتاب ان کے قبول اسلام کی محرک بن گئی۔ وہ حضرت مجدد صاحب کی نادر روزگار شخصیت سے اور بے مثال کارناموں سے بہت متاثر تھے اور اکثر ان کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ "یوں تو سارے ہی خطوط اپنے اندر معانی کے سمندر سموئے ہوئے ہیں' لیکن بعض فقروں نے قلب و ذہن پر انمٹ نقوش چھوڑے۔ مثلاً" فقر خادم شریعت ہے۔ سیاق و سباق سے دیکھا جائے تو پورے اسلامی فلسفہ کی ماہیت سمجھ میں آجاتی ہے۔

مکتوبات امام ربانی کے مطالعہ سے جب صوفی صاحب اسلام کے بہت قریب آ گئے اور مزید تحقیق سے ان پر اسلام کی حقانیت واضح ہو گئی تو وہ راولپنڈی کے صاحب دل بزرگ حافظ عبدالکریم مجلسوں میں بھی بیٹھنے لگے۔ حافظ صاحب موصوف سے بھی انہوں نے بہت روحانی فیض حاصل کیا۔

اس زمانے میں صوفی صاحب گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم اے تاریخ میں پڑھتے تھے اور نابھہ ہاؤس کے قریب واقع ہوسٹل میں رہائش پذیر تھے۔ اسلام کے بارے میں وہ اتنے یکسو ہو گئے تھے کہ اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے وہ باقاعدہ نمازیں پڑھتے تھے۔ ایک روز وہ نماز میں مشغول تھے کہ حکیم مرتضیٰ ملتانی اور چوہدری نذیر احمد (سابق اٹارنی جنرل) نے جو صوفی صاحب کے کلاس فیلو تھے' دروازے کے ایک سوراخ سے انہیں دیکھ لیا اور پھر دونوں نے انہیں گلے لگا کر خوب بھینچا۔

انہی ایام میں ان کے مسلمان پروفیسر نے جو گورنمنٹ کالج میں پڑھاتے تھے' انہیں مشورہ دیا کہ دوران تعلیم اسلام قبول نہ کریں مبادا انہیں کالج سے نکال دیا جائے اور ان کی تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو جائے' مگر صوفی صاحب نے اس مشورے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا "میرا رزق ایم اے پر موقوف نہیں' یہ بی اے کی بنیاد پر بھی مل سکتا ہے۔ چنانچہ 24 نومبر 1916ء کو انہوں نے قبول اسلام کا اعلان کر دیا اور حافظ عبدالکریم کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی۔ بعد میں ان کی شادی حافظ صاحب موصوف کے ایک مرید عبدالعزیز ڈپٹی پوسٹ ماسٹر جنرل کی ہمشیرہ سے ہو گئی۔

صوفی صاحب کے مسلمان ہونے کا اعلان پورے خاندان اور سکھ برادری میں زبردست دھماکہ ثابت ہوا۔ برملا دھمکی دی گئی کہ اگر مسلمان ہو کر گاؤں آنے کی جرات کی تو جان سے مار دیئے جاؤ گے' مگر آپ کے یقین و ایمان کی پختگی کا یہ عالم تھا کہ آپ نہ صرف بے دھڑک اپنے گاؤں میں گئے بلکہ تبلیغ اسلام کا کام

بھی کھلم کھلا شروع کر دیا اور اس سلسلے میں خاندانی روایات کے بالکل برعکس غریب اور بیچ ذات کے لوگوں سے بھی میل ملاقات کرنے لگے۔ خاندان کے لوگوں نے اور خصوصاً ان کے چچا نے اسے اپنی توہین قرار دیا اور صوفی صاحب کو مختلف حیلوں سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر موصوف اپنے موقف پر مستقل مزاجی سے ڈٹے رہے حتیٰ کہ مخالفوں کے سارے طوفان اس چٹان سے سر ٹکرا کر ختم ہو گئے۔

خاندانی حلقے سے باہر ہندوؤں، سکھوں اور انگریزوں نے بھی صوفی صاحب کے قبول اسلام پر اعلانیہ بیزاری اور برہمی کا مظاہرہ کیا۔ تاریخ کے ایک غیر مسلم پروفیسر نے کہا "اب تمہیں گائے کا گوشت بھی کھانا پڑے گا، کیا تمہاری غیرت برداشت کر لے گی" مگر بقول صوفی صاحب! "میں یہ بات سن کر مسکرا دیا کہ جسے یہ غیرت کہہ رہا ہے، میرا مذہب تو اسے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے"

ڈی اے وی کالج کے پرنسپل پنڈت ہنس راج نے کہا "تمہیں شرم آنی چاہئے کہ مسلمان ہو کر تم نے باپ دادا کا نام ڈبو دیا۔ تم شاید عیش پرست ہو گئے ہو۔ اگر ایسی کوئی بات ہے تو بتاؤ تمہارا رشتہ ایف سی کالج کے ایک پروفیسر کی لڑکی سے کرا دیتا ہوں۔ سواری یا روپیہ چاہئے تو اس کا بندوبست بھی ہو سکتا ہے" صوفی صاحب نے جواب دیا "آپ مجھے غلط سمجھے ہیں، مجھے ایسی کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ مجھے روشنی کی طلب تھی اور وہ مجھے اسلام سے مل گئی ہے جب کہ دوسرے مذاہب میں منزل کا کوئی سراغ نہیں ملتا"

صوفی محبوب الٰہی نے 1918ء میں ایم اے تاریخ اور 1920ء میں ایم اے انگریزی کا امتحان پاس کیا۔ انگریزی میں وہ پنجاب یونیورسٹی میں دوسرے نمبر پر رہے تھے۔ وہ یقیناً اول آتے مگر بے ایمانی سے ایف سی کالج کے ایک پروفیسر کے لڑکے کو یہ اعزاز بخش دیا گیا۔ ایم اے سے فارغ ہو کر سرٹیفکیٹ لینے گئے تو ایک متعصب انگریز پروفیسر راس ولسن سے ملاقات ہوئی، اس نے پریشان ہو کر پوچھا "تم مسلمان کیوں ہوئے، عیسائی یا بدھ کیوں نہیں ہو گئے؟"

صوفی صاحب نے جواب دیا "مجھے پیغمبر اسلام کے اخلاق اور سیرت اور مثالی کردار نے متاثر کیا ہے"

یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ جب صوفی صاحب نے اسلام قبول کیا تو گورنمنٹ کالج کے پرنسپل کرنل سٹیفن کے پاس تبدیلی نام کی خاطر گئے۔ پرنسپل اگرچہ دہریہ تھا مگر ادب اور شاعری خصوصاً سعدی اور شیکسپیر سے گہری قلبی مناسبت رکھتا تھا۔ اس نے اعتراض کیا کہ سرپرست کی موجودگی کے بغیر نام تبدیل نہیں ہو سکتا۔ آپ نے جواب دیا کہ میں اپنے پہلے سرپرستوں کو نہیں مانتا، اب میں خود ہی اپنا سرپرست ہوں۔ یہ سن کر پرنسپل مسکرا دیا اور میرا نیا اسلامی نام لکھ لیا۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد صوفی صاحب محبوب عالم اسلامیہ ہائی سکول گوجرانوالہ کے ہیڈ ماسٹر

تعینات ہوئے اور 1926ء تک اس فرض کو نبھاتے رہے۔ بعد ازاں وہ ایم بی ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر بنے مگر کچھ عرصے کے بعد انٹر کالج گجرات میں لیکچرار ہو گئے۔ پھر سرکاری ملازمت اختیار کر لی اور مختلف ہائی سکولوں کے ہیڈ ماسٹر رہے۔ 1949ء میں سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو کر وہ اسلامیہ کالج گوجرانوالہ میں لیکچرار مقرر ہوئے اور 1961ء میں یہاں سے ریٹائر ہوئے۔

صوفی صاحب کو اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی بڑی فکر تھی۔ کالج میں وہ باقاعدگی کے ساتھ طلب علموں کو قرآن و سنت پر مبنی درس دیتے۔ ہر جمعہ کو تھانے والا بازار کی ٹاہلی والی مسجد میں تقریر کرتے' خطبہ دیتے اور نماز پڑھاتے' ان کی تقریریں انگریزی' اردو' عربی' فارسی اور پنجابی زبان کے اشعار اور عالمی مفکرین کے فرمودات سے مزین ہوتی تھیں۔ جنہیں ان کے لہجے کی شیرینی اور خلوص نئی آب و تاب دے دیتا تھا۔ قرآن و حدیث اور تاریخ پر ان کی گہری نظر تھی۔ چنانچہ سامعین وجد و کیف سے مسحور ہو جاتے اور سینوں میں نیا جذبہ عمل کروٹیں لینے لگتا۔

صوفی صاحب کو تصنیف و تالیف سے بھی یک گونہ تعلق تھا۔ انگریزی میں سیرت مقدسہ پر ایک کتاب لکھی اور دوسرے اہم موضوع پر مواد اکٹھا کر رہے تھے مگر اسے مکمل نہ کر سکے۔

صوفی صاحب کو علامہ اقبال" سے والہانہ عقیدت تھی۔ اکثر ان کے اشعار گنگناتے رہتے۔ وہ 1920ء میں پہلی مرتبہ اقبال" سے ملے اور جب علامہ کو معلوم ہوا کہ صوفی صاحب نو مسلم ہیں تو بہت خوش ہوئے اور خصوصی محبت اور توجہ فرماتے رہے۔ صوفی صاحب کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ انہوں نے علامہ اقبال کی بیاض سے "ضرب کلیم" کا مسودہ نقل کیا۔ علامہ مرحوم نے "ضرب کلیم" کا ایک نسخہ کمال شفقت سے صوفی صاحب کو عنایت فرمایا تھا۔

صوفی صاحب کو قرآن سے عشق تھا۔ احباب کو عموماً" قرآن پاک کی تلاوت کی تلقین کرتے۔ وہ اسلام کو اس کی صحیح روح کے ساتھ سمجھتے تھے۔ علمائے سو اور عالمان ظاہربین پر شدید گرفت کرتے۔ فرقہ بندی اور بدعات کے سخت خلاف تھے اور توحید پر خصوصی زور دیتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کی سنت پر بھی عملاً" کاربند رہے۔ پر رعب و باوقار شخصیت' خوبصورت نورانی چہرہ' محبت بھری گفتگو اور لہجے میں کوثر و تسنیم کی مٹھاس اور روانی' صوفی محبوب الٰہی کو جو شخص ایک مرتبہ ملتا تھا' وہ صوفی صاحب کو واقعی اپنا محبوب بنالیتا تھا۔

توبہ و استغفار کے آداب

(حافظ محمد یاسین)

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے خدا فرماتا ہے

"میرے بندو تم میں سے ہر ایک گمراہ ہے سوائے اس کے جس کو میں ہدایت دو' پس تم مجھی سے ہدایت طلب کرو کہ میں تمہیں ہدایت دوں۔ میرے بندو تم میں سے ہر ایک بھوکا ہے سوائے اس کے جس کو میں کھلاؤں پس تم مجھی سے روزی مانگو کہ میں تمہیں روزی دوں۔ میرے بندو تم میں سے ہر ایک ننگا ہے سوائے اس کے جس کو میں پہناؤں' پس تم مجھ سے مغفرت چاہو تو میں تمہارے گناہ معاف کردوں"

1۔ توبہ کی قبولیت سے کبھی مایوس نہ ہوں' کیسے ہی بڑے بڑے گناہ ہو گئے ہوں' توبہ سے اپنے نفس کو پاک کیجئے اور خدا سے پر امید رہئے' مایوسی کافروں کا شیوہ ہے۔ مومنوں کی تو امتیازی خوبی ہی یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ توبہ کرنے والے ہوتے ہیں اور کسی حال میں خدا سے مایوس نہیں ہوتے۔ گناہوں کی زیادتی سے گھبرا کر مایوسی میں مبتلا ہونا اور توبہ کی قبولیت سے ناامید ہونا ذہن و فکر کی تباہ کن گمراہی ہے۔

خدا نے اپنے محبوب بندوں کی یہ تعریف نہیں فرمائی ہے کہ ان سے گناہ نہیں ہوتے بلکہ فرمایا ان سے گناہ ہوتے ہیں لیکن وہ اپنے گناہوں پر اصرار نہیں کرتے' صفائی سے ان کا اعتراف کرتے ہیں اور خود کو پاک کرنے کے لئے بے چین ہوتے ہیں۔

ترجمہ! "اور اگر کبھی ان سے کوئی فحش کام سرزد ہو جاتا ہے یا وہ اپنے اوپر کبھی زیادتی کر بیٹھتے ہیں تو معاً انہیں خدا یاد آجاتا ہے اور وہ اس سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور خدا کے سوا کون ہے جو گناہوں کو معاف کر سکتا ہو؟ اور وہ جانتے بوجھتے اپنے کئے پر ہرگز اصرار نہیں کرتے"

(آل عمران 135)

ترجمہ! "فی الواقع جو لوگ خدا سے ڈرنے والے ہیں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال اگر انہیں چھو بھی جاتا ہے تو وہ فوراً چونکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ صحیح روش کیا ہے۔ (الاعراف۔201)

نبی پاک ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ "سارے کے سارے انسان خطاکار ہیں اور بہترین خطاکار

وہ ہیں جو بہت زیادہ توبہ کرنے والے ہیں"

قرآن پاک میں خدا نے اپنے پیارے بندوں کی یہ امتیازی خوبی بیان فرمائی ہے کہ وہ سحر کے اوقات میں خدا کے حضور گڑگڑاتے ہیں اور توبہ و استغفار کرتے ہیں۔

اور مومنوں کو تلقین فرمائی ہے کہ وہ توبہ و استغفار کرتے رہیں اور یہ یقین رکھیں کہ خدا ان کے گناہوں پر عفو و درگزر کا پردہ ڈال دے گا اس لئے کہ وہ بڑا ہی معاف فرمانے والا اور اپنے بندوں سے انتہائی محبت کرنے والا ہے۔

ترجمہ! "اور اپنے پروردگار سے مغفرت چاہو اور اس کے آگے توبہ کرو۔ بلا شبہ میرا رب بڑا ہی رحم فرمانے والا اور بہت ہی محبت کرنے والا ہے"

(2) خدا کی رحمت سے ہمیشہ پر امید رہیے اور یہ یقین رکھئے کہ میرے گناہ خواہ کتنے ہی زیادہ ہوں خدا کی رحمت اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔

سمندر کے جھاگ سے زیادہ گناہ کرنے والا بھی جب اپنے گناہوں پر شرمسار ہو کر خدا کے حضور گڑگڑاتا ہے تو خدا اس کی سنتا ہے اور اس کو اپنے دامن میں پناہ دیتا ہے۔

ترجمہ! "اے میرے بندو جو اپنی جانوں پر زیادتی کر بیٹھے ہو خدا کی رحمت سے ہرگز مایوس نہ ہونا یقیناً" خدا تمہارے سارے کے سارے گناہ معاف فرما دے گا اور وہ بہت ہی معاف فرمانے والا اور بڑا ہی مہربان ہے اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کی فرمانبرداری بجالاؤ اس سے پہلے کہ تم پر کوئی عذاب آپڑے اور پھر تم کہیں سے مدد نہ پاسکو" (الزمر 53'54)

3۔ زندگی کے کسی حصے میں گناہوں پر شرمساری اور ندامت کا احساس پیدا ہو اسے خدا کی توفیق سمجھئے اور توبہ کے دروازے کو کھلا سمجھئے خدا اپنے بندوں کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتا ہے جب تک ان کی سانس نہیں اکھڑتی البتہ جب سانس اکھڑنے کے بعد انسان دوسرے عالم میں جھانکنے لگتا ہے تو پھر توبہ کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔ نبی پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

"خدا اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے مگر سانس اکھڑنے سے پہلے پہلے"

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کو اندھیرے کنوئیں میں دھکیل کر اپنی دانست میں انہیں ختم کر دیا۔ گویا وہ نبی کے قتل کا گناہ کر بیٹھے اور ان کا کرتہ خون میں رنگ کر اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقین دلانے کی کوشش کرنے لگے کہ یوسف علیہ السلام مرگئے اور ان کو بھیڑیئے نے اپنی غذا بنالیا لیکن ایسے عظیم گناہ کا ارتکاب کرنے کے کئی سال بعد جب ان میں اپنے جرم کا احساس ابھرتا ہے اور وہ شرمسار ہو کر اپنے والد سے درخواست کرتے کہ ابا جان

ہمارے لئے خدا سے دعا کیجئے کہ خدا ہمارے گناہ معاف فرمادے تو خدا کے عظیم پیغمبر حضرت یعقوب علیہ السلام یہ کہہ کر انہیں مایوس نہیں کرتے کہ تمہارا گناہ بہت عظیم ہے اور اس عظیم گناہ پر اب برسوں گزر چکے ہیں لہٰذا اب معافی کا کیا سوال؟

بلکہ وہ ان سے وعدہ کرتے ہیں کہ میں تمہارے لئے اپنے پروردگار سے دعائے مغفرت کروں گا۔ اور انہیں یہ یقین دلاتے ہیں کہ خدا تمہیں ضرور معاف فرمادے گا اس لئے کہ وہ بہت زیادہ درگزر کرنے والا اور بڑا ہی رحم فرمانے والا ہے

ترجمہ! "ان سب نے کہا اے ابا جان ہمارے گناہوں کی بخشش کے لئے دعا کریں واقعی ہم بڑے خطاکار تھے"

جواب میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا

ترجمہ! "حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا میں اپنے رب سے تمہارے لئے ضرور معافی کی دعا کروں گا اور وہ تمہیں ضرور معاف فرمادے گا یقیناً" وہ بڑا ہی معاف کرنے والا اور انتہائی رحم فرمانے والا ہے"

4۔ صرف خدا کے حضور اپنے گناہوں کا اقرار کیجئے اسی کے حضور گڑگڑائیے اور اسی کے سامنے اپنی عاجزی بے کسی اور خطاکاری کا اظہار کیجئے۔

عجز و انکساری انسان کا وہ سرمایہ ہے جو صرف خدا کے حضور ہی پیش کیا جا سکتا ہے اور جو بدنصیب اپنے عجز و احتیاج کا یہ سرمایہ اپنے ہی جیسے مجبور و بے بس انسانوں کے سامنے پیش کرتا ہے تو پھر اس دیوالئے کے پاس خدا کے حضور پیش کرنے کے لئے کچھ نہیں رہ جاتا اور وہ ذلیل و رسوا ہو کر ہمیشہ کے لئے در در کی ٹھوکریں کھاتا ہے اور کہیں عزت نہیں پاتا۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ

ترجمہ! "اور آپ کا پروردگار گناہوں کو ڈھانپنے والا اور بہت زیادہ رحم فرمانے والا ہے اگر وہ ان کے کرتوتوں پر ان کو فوراً" پکڑنے لگے تو عذاب بھیج دے مگر اس نے اپنی رحمت سے ایک وقت ان کے لئے مقرر کر رکھا ہے اور یہ لوگ بچنے کے لئے اس کے سوا کوئی پناہ گاہ نہ پائیں گے"

اور سورہ شوریٰ میں ارشاد ہوتا ہے کہ

ترجمہ! "اور وہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی خطاؤں کو معاف فرماتا ہے اور وہ سب جانتا ہے جو تم کرتے ہو" (جاری ہے)

(ماخوذ از آداب بندگی)

زندگی اور موت کا سوال

- جب ہمارا دین مکمل، ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالےٰ کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے؟
- جب اللہ تعالےٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بے بس اور رسوا کیوں ہیں؟
- مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقہ سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش و خروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں، کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے؟
- ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جارہا ہے؟
- نکبت وادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرسکتے ہیں؟

دنیائے اسلام کیلئے وقت کے اس اہم ترین سوال کا تفصیلی جواب معلوم کرنے کیلئے

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری رح

کی مندرجہ ذیل تصانیف ضرور پڑھیں

تعمیر ملت (اردو۔ انگلش)	چراغ راہ	حقیقت وحدت الوجود
مجلد 260 صفحات قیمت -/100 روپے	پلاسٹک کور 300 صفحات قیمت -/100 روپے	پلاسٹک کور قیمت -/25 روپے

ملنے کا پتہ

- ادارہ اسلامیات 190 نئی انار کلی لاہور
- مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
- دیوا اکیڈمی پلاٹ نمبر 9، S.T بلاک نمبر 3 گلشن اقبال کراچی

براہ راست ہم سے بذریعہ وی پی پی منگوائیں تو ڈاک خرچ ہمارے ذمہ ہوگا۔

- مرکز تعمیر ملت سلسلہ عالیہ توحیدیہ پوسٹ بکس نمبر 600 گوجرانوالہ

FALAH E ADMIAT

بانی سلسلہ کی تصانیف